وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۱ | شمارہ نمبر ۸ | شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ | مارچ ۲۰۲۴ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی لوہاری گیٹ ملتان

شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحانات کا مثالی انعقاد	کلمۃ المدیر	۳
ماہِ شعبان اور شبِ براءت	مولانا محمد نجیب قاسمی	۶
ماہِ شعبان اور استقبالِ رمضان	محمد احمد حافظ	۱۲
ماہِ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات	مولانا محمد اجمل قاسمی	۱۶
میدانِ تیہ، کوہِ طور، وادیِ مقدس اور صحرائے سینا	مولانا مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی	۲۵
فلسطین کی بابت چالیس اہم تاریخی حقائق	ڈاکٹر محسن محمد صالح	۲۹
طوفان الأقصی کی امت مسلمہ کو پکار	مولانا حذیفہ وستانوی	۴۳
فضلائے قدیم جدید فارغین کی رہنمائی کریں	مولانا ناصر الدین مظاہری	۴۶
ان جذبوں کو کون شکست دے سکتا ہے؟	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۴۸
دینی مدارس کا قابلِ تقلید نظام	جناب ضیاء چترالی	۵۲
اجلاسات وتربیتی پروگرامات	مولانا مفتی سراج الحسن	۵۵
اجلاس تدریب الممتحنین بلوچستان	مولانا مفتی سید عبدالرحیم	۵۹
تبصرۂ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک — قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

کلمۃ المدیر

وفاق المدارس العربیہ کے تحت امتحانات کا مثالی انعقاد

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمدللہ گزشتہ ماہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت سالانہ امتحانات کامیابی سے اختتام پذیر ہوگئے۔ شدید سردی کے موسم اور بالائی علاقوں میں برف باری کے باوجود ملک بھر میں ایک ہی وقت امتحانات کا انعقاد کرانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

تقریباً پانچ لاکھ پچانوے ہزار طلبہ وطالبات کے لیے تین ہزار دوسوسات امتحانی مراکز میں امتحانی عمل سات روز مکمل ہوا۔ جس میں تقریباً انیس ہزار سے زائد نگران عملہ نے اپنی ذمہ داریاں مثالی نظم وضبط کے ساتھ انجام دیں۔ صدرِ وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ، ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم العالیہ، صوبائی قائدین اور مسؤلین و منتظمین نے امتحانی مراکز کے دورے کیئے، انتظامات اور امتحانی نظم کا جائزہ لیا۔ مرکزی وصوبائی دفاتر میں کنٹرول روم قائم کیئے گئے، امتحانی سینٹرز میں ہر قسم کی ضروری سہولیات کی فوری فراہمی کو یقینی بنایا گیا۔ امتحانی مراکز کی جانب سے دیگر مدارس کے آنے والے طلبہ وطالبات کے قیام وطعام کے لیے بہترین انتظامات کیئے گئے۔

وفاق المدارس کے میڈیا ترجمان مولانا طلحہ رحمانی کے مطابق ملک کے اکثر علاقے شدید سردی کی لپیٹ میں تھے؛ اور کئی دشوار گزار علاقوں میں برفباری سمیت سخت موسمی شدت کا سامنا رہا؛ اس کے باوجود پورے ملک میں ایک ہی وقت میں پرچوں کا آغاز اور اختتام ہوا۔ کراچی واندرون سندھ میں شدید طوفانی بارشوں کے باوجود سندھ کے تقریباً تین سو سے زائد امتحانی مراکز میں وقت مقررہ پر مثالی نظم وضبط کے ساتھ امتحان کا عمل مکمل ہوا، بارشوں وطوفانی صورتحال میں وفاق المدارس کی صوبائی قیادت اور مسؤلین نے نگران عملہ کے ساتھ مل کر وقت سے قبل ہنگامی بنیادوں پر اقدامات بھی کیئے۔ دیہی اور دور دراز کے علاقوں میں کئی مدارس وجامعات نے دیگر مدارس سے آنے والے طلباء کیلئے قیام وطعام کا بندوبست بھی کیا۔ اور نگران عملہ کی آمد ورفت کو بھی بروقت یقینی بنانے کیلئے اقدامات کیئے گئے۔ ملک بھر میں شدید موسمی صورتحال کے باوجود صبح نو بجے پرچوں کا آغاز اور ایک بجے دو پہر اختتام ہوا۔ آزاد کشمیر، گلگت بلتستان، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے بعض اضلاع سخت ترین موسمی صورتحال سے دوچار تھے، جہاں تین تین فٹ تک برفباری کا سلسلہ ان دنوں میں جاری رہا، آمد ورفت کے راستے بند ہوگئے لیکن ان سب پیچیدگیوں کے باوجود

وفاق المدارس کے متحرک نگران عملے اور مسؤلین نے بروقت امتحانی عمل کو یقینی بنایا، کئی دشوار گزار علاقوں میں تین تین گھنٹے پیدل سفر کر کے ضروری اشیاء کی ترسیل بھی کی، ان علاقوں میں قائم بعض امتحانی مراکز یعنی مدارس و جامعات نے مہمان طلبہ کے چھ روزہ مکمل قیام وطعام کی سہولتیں بھی فراہم کیں، ان بہترین خدمات پر قائدین وفاق المدارس نے ان مدارس اور وفاق المدارس کے نگران عملہ ومسؤلین کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اسی طرح مرکزی وصوبائی دفاتر کے عملہ کو رات دن فعال کردار ادا کرنے پر مبارکباد بھی پیش کی۔ اس موقع پر ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم نے اظہار تشکر کرتے ہوئے فرمایا:

''عالم اسلام میں دینی تعلیم کے سب سے بڑے نظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت منعقد ہونے والے سالانہ امتحانات بفضلہ تعالیٰ بخیر وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ شدید سردی، برف باری اور طوفانی بارشوں کے باوجود ملک بھر میں کراچی سے پشاور، کوئٹہ سے گلگت اور مظفرآباد تک ان امتحانات کا بیک وقت انعقاد ہوا۔ میں اس موقع پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں؛ جس نے یہ توفیق عطا فرمائی۔ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ، سینئر نائب صدر حضرت مولانا محمد انوار الحق حقانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، نائب صدر حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب، حضرت مولانا سلیمان بنوری صاحب، حضرت مولانا سعید یوسف صاحب دامت برکاتہم العالیہ، سرپرست حضرات؛ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ، مخدوم ومکرم مولانا مفتی مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، صوبائی ناظمین: حضرت مولانا امداداللہ صاحب، حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب، حضرت مولانا حسین احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی صلاح الدین صاحب، اور تمام معزز اراکین مجلس عاملہ، اراکین امتحانی کمیٹی، تمام علاقائی معاون ناظمین، مسئولین، نگران حضرات کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں؛ اور بالخصوص وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر کے ناظم مولانا عبدالمجید صاحب اور ان کے تمام رفقاء اور دفتر کے عملے کا، اور اسی طرح میڈیا سیل کے تمام ذمے داران کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں؛ جنہوں نے ان امتحانات کے انعقاد میں اور امتحانات کی تکمیل میں ہمارے ساتھ شبانہ روز مخلصانہ بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ ہمارے اکابر کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ وفاق المدارس پاکستان اور تمام جامعاتِ پاکستان اور علماء کرام کو اللہ تعالیٰ

قبولیتوں سے اور ترقیات سے نوازے۔ آمین!۔

اس موقع پر مرکزی ناظم دفتر مولانا عبدالمجید نے میڈیا سینٹر سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ امتحانات کے کامیاب انعقاد کے بعد نتائج کی تیاریوں کے مراحل کا آغاز ان شاء اللہ گیارہ فروری سے ملک کے چاروں صوبوں میں شروع ہوگا۔ جس میں تقریباً سو ممتحن اعلیٰ، بائیس سو ممتحن علماء و ماہر مدرسین مارکنگ کے عمل میں شریک ہوں گے جو گیارہ روز تک بغیر کسی وقفہ کے جاری رہے گا۔ جبکہ نو سو سے زائد عملہ و خدام بھی لاکھوں پرچوں کی جانچ پڑتال کے عمل کا حصہ ہوں گے، اس طرح مجموعی طور پر تقریباً بتیس سو افراد نتائج کی تیاری کے اس مرحلہ میں شریک ہونگے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ حتمی نتائج کی تیاریوں کا مرحلہ مرکزی دفتر ملتان میں ہوگا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ نتائج کی تیاری کے مراحل کیلئے لائحہ عمل مرتب ہو چکا ہے۔ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی سربراہی اور اراکین امتحانی کمیٹی کی نگرانی میں نتائج کی تیاری کا یہ مرحلہ مکمل کیا جائے گا۔

الیکشن ۲۰۲۴ء

۸؍فروری ۲۰۲۴ء کو پاکستان بھر میں عام انتخابات ہوئے، اگرچہ یہ انتخابات بھی روایتی طور پر دھاندلی اور دھونس سے مبرا نہیں تھے، جہاں زور آور کا بس چلا اس نے اپنی من مانی کی، لیکن بہرحال مجموعی طور پر یہ مرحلہ پرامن طور پر ختم ہوا۔ بعض اعتبار سے انتخابی نتائج حیران کن رہے، وفاق میں حکومت بنانے کے لیے کسی بھی سیاسی جماعت کو 169 نشستیں درکار ہوتی ہیں۔ قومی اسمبلی کی عمومی نشستیں 266 ہیں جبکہ مخصوص سیٹیں شامل کر کے کل تعداد 336 بنتی ہے۔ انتخابی نتائج بتاتے ہیں کہ کوئی بھی جماعت سادہ اکثریت حاصل نہیں کر سکی جس کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آزاد حیثیت سے جیتنے والے افراد کو ایوان میں غیر معمولی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ بہت سی جماعتوں کو انتخابی نتائج پر تحفظات اور شکایات ہیں، لیکن اب معاملہ آگے بڑھنے کا ہے۔ الیکشن ہو چکے اور حتمی نتائج کے بعد تمام سیاسی جماعتوں کو ملک کی بہتری کیلئے اکٹھے مل بیٹھنا اور مشترکہ ضابطہ اخلاق بنا کر اس پر عمل کرنا چاہئے۔

وطن عزیز پاکستان ایک طویل مدت سے عدم استحکام کا شکار ہے، خصوصاً پچھلے تین چار برس مسلسل انتشار اور باہمی آپا دھاپی میں گزرے ہیں، اسی وجہ سے امن وامان اور معیشت واقتصاد کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی سیاسی جماعتیں اپنی سابقہ روش کو بدلیں، بالغ نظری کا مظاہرہ کریں؛ قوم اور ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر آگے بڑھیں۔ قومی اور ملکی سطح پر ایسی پالیسیاں سامنے لائیں جو ملک وقوم کے لیے مفید ہوں۔ اللہ اس ملک اور قوم کا حامی و ناصر ہو، اور یہاں امن وآشتی کا دور دورہ ہو۔

مقالات ومضامین

ماہِ شعبان اور شبِ براءت

مولانا محمد نجیب قاسمی

اسلامی کیلنڈر کے مطابق شعبان المعظم آٹھواں مہینہ ہے، جو رجب المرجب اور رمضان المبارک کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ احادیث کی روشنی میں بلاشبہ یہ مہینہ بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے، چناں چہ رمضان المبارک کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے اسی ماہ میں رکھتے تھے۔

☆......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رمضان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی پورے مہینے کے روزہ رکھتے نہیں دیکھا، سوائے شعبان کے کہ اس کے تقریباً پورے دنوں میں آپ روزہ رکھتے تھے۔ (بخاری، مسلم، ابوداوٗد)

اسی مضمون کی ایک روایت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں مذکور ہے۔

☆......حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں (نفلی) روزے رکھتے نہیں دیکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رجب اور رمضان کے درمیان واقع ایک مہینہ ہے جس کی برکت سے لوگ غافل ہیں۔ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے اعمال اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ (نسائی، الترغیب والترھیب، ص425، مسند احمد، ابوداوٗد 2076)

محدثین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

☆......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے تقریباً مکمل مہینے میں روزے رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ کو شعبان کے روزے بہت پسند ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سال انتقال کرنے والوں کے نام اس ماہ میں لکھ دیتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری موت کا فیصلہ اس حال میں ہو کہ میں روزہ سے ہوں۔ (رواہ ابویعلی، وھو غریب، واسنادہ حسن۔ الترغیب والترھیب، وذکر الامام الحافظ السیوطی فی ''الدر المنثور'')۔

☆......بعض دیگر احادیث میں شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے، تاکہ اس کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ (بخاری، کتاب الصوم۔ مسلم، کتاب الصیام)

مذکورہ بالا اوراس طرح کی متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ماہ شعبان بلاشبہ بہت سی فضیلتوں کا حامل ہےاوراس ماہ کے آخری دوتین دن کےعلاوہ اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنا چاہیے۔

اس ماہ کی پندرہویں رات کوشب برأت کہا جاتا ہے، جو 14 تاریخ کا سورج غروب ہونے سے شروع ہوتی ہےاور 15 تاریخ کی صبح صادق تک رہتی ہے۔شب براءت فارسی زبان کا لفظ ہے،جس کےمعنی نجات پانے کی رات کے ہیں۔چوں کہ اس رات میں بےشمار گناہگاروں کی مغفرت کی جاتی ہے،اس لیے اس شب کو شب برأت کہا جاتا ہے۔

اس رات کی فضیلت کے سلسلہ میں علماء کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے،لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کا بالکلیہ انکار کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ بعض مشہور ومعروف مفسرین (مثلاً حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ) نےتو قرآن پاک کی آیت: اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاهُ فِی لَیۡلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ فِیۡهَا یُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِیۡمٍ. (سورہ الدخان) سے مراد شعبان کی پندرہویں رات (شب برأت) لی ہےاور ہر زمانے کے مشہور ومعروف مفسرین نے اپنی تفسیروں میں حضرت عکرمہ کی تفسیر کو ذکر کیا ہے۔اگرچہ جمہور علماء کی رائے میں اس آیت سے مراد شب قدر ہے،مگر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر شب برأت کی کوئی حقیقت ہی نہ ہوتی تو مشہور ومعروف مفسرین اس آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہ کی تفسیر کا ذکر کیوں کرتے؟ بلکہ اس کی مخالفت کرتے۔

شب برأت کی فضیلت کے متعلق تقریباً 17 صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث مروی ہیں،جن میں سے بعض صحیح ہیں،جن کی صحت کا اعتراف شیخ محمد ناصرالدین البانیؒ جیسے محدث نے بھی کیا ہے،اگرچہ دیگر احادیث کی سند میں ضعف موجود ہے،لیکن وہ کم ازکم قابل استدلال ضرور ہیں اوراحادیث کی اتنی بڑی تعداد کورد کرنا درست نہیں ہے، نیز امت مسلمہ کا شروع سے اس پر معمول بھی چلا آرہا ہے۔لہٰذا علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق ''اگر حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہو،لیکن امت مسلمہ کا عمل اس پر چلا آرہا ہوتو اس حدیث کو بھی قوت حاصل ہوجاتی ہےاور وہ قابل اعتبار قرار دی جاتی ہے'' ان احادیث پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔نیز اس باب کی احادیث مختلف سندوں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں،اگرچہ بعض احادیث کی سند میں ضعف ہے،لیکن علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق ایک دوسرے سے تقویت لے کر یہ احادیث حسن لغیرہ بن جاتی ہیں،جس کا اعتراف متعدد بڑے بڑے محدثین نے بھی کیا ہے۔

عقل سے بھی سوچیں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ مختلف ملکوں اور مختلف شہروں میں رہنے والے حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی ایک جھوٹی بات کومنسوب کرنے میں متفق ہوگئے، نیز سب نے شعبان کی 15 تاریخ کو ہی

کیوں اختیار کیا؟ کوئی دوسری تاریخ یا کوئی دوسرا مہینہ کیوں اختیار نہیں کیا؟

ان احادیث سے شب برأت میں کسی مستقل عمل کو ثابت نہیں کیا جارہا ہے، بلکہ اعمال صالحہ (مثلاً نمازِ فجر وعشاء کی ادائیگی، بقدر توفیق نوافل، خاص کر نماز تہجد کی ادائیگی، قرآن کریم کی تلاوت، اللہ کا ذکر، اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی اور دعائیں) کے کرنے کی رغبت دی جارہی ہے، جن کا تعلق ہر رات سے ہے اور ان اعمال صالحہ کا احادیث صحیحہ سے ثبوت بھی ملتا ہے، جس پر ساری امت متفق ہے۔ شب برأت بھی ایک رات ہے۔ شب برأت میں تھوڑا اہتمام کے ساتھ ان اعمال صالحہ کی ادائیگی کے لیے علماء ومحققین کی ایک بڑی جماعت کی رائے کے مطابق 17 صحابہ کرام سے منقول احادیث ثبوت کے لیے کافی ہیں۔

وضاحت... اگر کچھ لوگوں نے غلط رسم ورواج اس رات میں شروع کردیے ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر مضمون کے آخر میں آرہا ہے، تو اس کی بنیاد پر ان اعمال صالحہ کو اس رات میں کرنے سے روکا نہیں جاسکتا، بلکہ رسم ورواج کے روکنے کا اہتمام کرنا ہوگا، مثلاً عید الفطر کی رات یا دن میں لوگ ناچنے گانے لگیں تو سرے سے عید الفطر کا انکار نہیں کیا جائے گا، بلکہ غلط رسم ورواج کو روکنے کا مکمل اہتمام کیا جائے گا۔ نیز شادی کے موقع پر رسم ورواج اور بدعات کی وجہ سے نکاح ہی سے انکار نہیں کیا جائے گا، بلکہ بدعات اور رسم ورواج کو روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ اسی طرح موت کے وقت اور اس کے بعد کی بدعات وخرافات کو روکنے کی کوشش کی جائے گی نہ کہ تدفین ہی بند کردی جائے۔

شب برأت کی فضیلت سے متعلق چند احادیث:

☆ ... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پندرہویں شب میں تمام مخلوق کی طرف تجلی فرماتا ہے اور ساری مخلوق کی سوائے مشرک اور بغض رکھنے والوں کے سب کی مغفرت فرماتا ہے۔'' (صحیح ابن حبان، طبرانی، وذکرہ الامام الحافظ السیوطی فی ''الدر المنثور'' عن البیہقی، وذکرہ الحافظ الہیثمی فی ''مجمع الزوائد'' ج8 ص65، وقال: رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط، ورجالہ ثقات)

☆ ... اسی مضمون کی روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مسند احمد (2/176) میں بھی مروی ہے (قاتل اور بغض رکھنے والوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرماتا ہے)، جس کو الحافظ الہیثمی نے ''مجمع الزوائد ج8 ص65'' میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد ناصر الدین البانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (السنہ ص224، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ ......ج3)

☆ ... حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’پندرہویں شب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز لگائی جاتی ہے کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کروں؟ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں عطا کروں؟ ہر سوال کرنے والے کو میں عطا کرتا ہوں، سوائے مشرک اور زنا کرنے والے کے۔‘‘(اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان 383/3، الدر المنثور للسیوطی، ذکرہ الحافظ ابن رجب فی اللطائف)۔

☆ ......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گمان ہوا کہ آپ دیگر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی شب کو نچلے آسمان پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔ اور اس رات میں بے شمار لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے، مگر مشرک، عداوت کرنے والے، رشتہ توڑنے والے، تکبرانہ طور پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے اور شراب پینے والے کی طرف اللہ تعالیٰ کی نظر کرم نہیں ہوتی۔ (مسند احمد 238/6، ترمذی (ابواب الصیام)، ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ)، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، الترغیب والترھیب)

☆ ... حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں شب ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس دن روزہ رکھو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت سے سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کیا کوئی رزق کا متلاشی ہے کہ میں اسے رزق عطا کروں؟ کیا کوئی مصیبت کا مارا ہے کہ میں اس کی مصیبت دور کروں؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ کیا کوئی ایسا ہے؟ حتیٰ کہ صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے۔ (اخرجہ ابن ماجہ (کتاب اقامۃ الصلاۃ)، والبیہقی فی شعب الایمان، الدر المنثور للسیوطی، الترغیب والترھیب للمنذری، لطائف المعارف للحافظ ابن رجب)

اس رات میں ان اعمال صالحہ کا خاص اہتمام:

☆ ... عشاء اور فجر کی نمازیں وقت پر ادا کریں۔

☆ ... بقدر توفیق نفل نمازیں خاص کر نمازِ تہجد ادا کریں۔

☆ ... اگر ممکن ہو تو صلاۃ التسبیح پڑھیں۔

☆ ... قرآن پاک کی تلاوت کریں۔

☆ ... کثرت سے اللہ کا ذکر کریں۔

☆ ... اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگیں، خاص کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں۔

☆ ... کسی کسی شب برأت میں قبرستان تشریف لے جائیں۔ اپنے اور میت کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

لیکن ہر شب برأت میں قبرستان جانے کا خاص اہتمام کوئی ضروری نہیں ہے، کیوں کہ پوری زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک مرتبہ اس رات میں قبرستان جانا ثابت ہے۔

نوٹ... شب برأت میں پوری رات جاگنا کوئی ضروری نہیں ہے، جتنا آسانی سے ممکن ہو عبادت کرلیں، لیکن یاد رکھیں کہ کسی شخص کو آپ کے جاگنے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

پندرہویں تاریخ کا روزہ:

شب برأت کی فضیلت کے متعلق بہت سی احادیث موجود ہیں، مگر شب برأت کے بعد آنے والے دن کے روزے کے متعلق صرف ایک ضعیف حدیث موجود ہے۔ لہذا ماہ شعبان میں صرف اور صرف پندرہویں تاریخ کے روزہ رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنا یا اس دن روزہ نہ رکھنے والے کو کم تر سمجھنا صحیح نہیں ہے، البتہ ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے چاہییں۔

اس رات میں مندرجہ ذیل اعمال کا احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ہے، لہذا ان اعمال سے بالکل دور رہیں:

☆ ... حلوہ پکانا۔ (حلوا پکانے سے شب برأت کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔)

☆ ... آتش بازی کرنا۔ (یہ فضول خرچی ہے، نیز اس سے دوسروں کے املاک کو نقصان پہنچنے کا بھی خدشہ ہے۔)

☆ ... اجتماعی طور پر قبرستان جانا۔

☆ ... قبرستان میں عورتوں کا جانا۔ (عورتوں کا کسی بھی وقت قبرستان جانا منع ہے)۔

☆ ... قبرستان میں چراغاں کرنا۔

☆ ... مختلف قسم کے ڈیکوریشن کا اہتمام کرنا۔

☆ ... عورتوں اور مردوں کا اختلاط کرنا۔

☆ ... قبروں پر چادر چڑھانا۔ (کسی بھی وقت قبروں پر چادر چڑھانا غلط ہے۔)

نوٹ... اس رات میں بقدر توفیق انفرادی عبادت کرنی چاہیے۔ لہذا اجتماعی عبادتوں سے حتی الامکان اپنے آپ کو دور رکھیں کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں اجتماعی طور پر کوئی عبادت کرنا ثابت نہیں ہے۔

جن گناہ گاروں کی اس بابرکت رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی، وہ یہ ہیں:

☆ ... مشرک

☆ ... قاتل۔

☆ ... والدین کی نافرمانی کرنے والا۔

☆ ... بغض وعداوت رکھنے والا۔

☆ ... رشتہ توڑنے والا۔

☆ ... تکبرانہ طور پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والا۔

☆ ... شراب پینے والا۔

☆ ... زنا کرنے والا۔

لہٰذا ہم سب کو تمام گناہوں سے خاص کر ان مذکورہ کبیرہ گناہوں سے بچنا چاہیے۔

وضاحت... مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، دیگر احادیث وعلماء اور محدثین کے اقوال پڑھنے کے لیے الشیخ عبدالحفیظ المکی صاحب کی عربی زبان میں کتاب "فضائل لیلۃ النصف من شعبان" کا مطالعہ کریں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں سال بھر کے فیصلہ بھی ہوتے ہیں، لیکن ان تمام ہی احادیث کی سند میں ضعف موجود ہے، لیکن حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم (سورہ الدخان: 4-3) سے بھی یہی اشارہ ملے گا۔

خلاصہ کلام: ماہِ شعبان کی فضیلت اور اس میں زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنے کے متعلق امت مسلمہ متفق ہے، البتہ پندرہوں رات کی خصوصی فضیلت کے متعلق علماء، فقہاء اور محدثین کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ علماء، فقہاء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ اس باب سے متعلق احادیث کے قابل قبول (حسن لغیرہ) اور امت مسلمہ کا عمل ابتدا سے اس پر ہونے کی وجہ سے اس رات میں انفرادی طور پر نفل نمازوں کی ادائیگی، قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اور دعاؤں کا کسی حد تک اہتمام کرنا چاہیے۔ کسی کسی شب برات میں قبرستان بھی چلا جانا چاہیے۔ اس نوعیت سے اس رات میں عبادت کرنا بدعت نہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام نیک اعمال کو قبول فرمائے۔ آمین۔

☆......☆......☆

ماہِ شعبان اور استقبالِ رمضان

محمد احمد حافظ

الحمدللہ شعبان کا مہینہ سایہ فگن ہے، اگلا مہینہ رمضان المبارک کا ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس مبارک مہینے کو پالیں اور اس کا خوب حق ادا کریں۔ اس ماہِ مبارک کی برکات، حسنات اور ثمرات اس قدر ہیں کہ حد شمار سے باہر!...... ماہ رمضان مجموعہ فضائل ہے:

ماہ رمضان میں روزے فرض کیے گئے ہیں...... كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے......شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ۔

یہ حصول تقویٰ کا مہینہ ہے......لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن۔

یہ حق اور باطل میں اوّلین معرکے کا مہینہ ہے......يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ۔

یہ اخوت ومحبت، مودت اور باہمی دکھ درد میں شرکت کا مہینہ ہے......هُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ۔

یہ ماہِ رحمت ہے......فُتِحت لَهُ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔

یہ ماہِ مغفرت ہے......غُفِرَ له مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِک۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان کی آمد کا انتظار رہتا اور آپ نہایت اشتیاق کے ساتھ ماہ رمضان کا استقبال فرماتے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے شوقِ رمضان کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

۱......حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مبارک مہینے کو خوش آمدید کہہ کر اس کا استقبال فرماتے اور صحابہ کرام سے سوالیہ انداز میں دریافت کرتے: مَاذَا يَسْتَقْبِلُكُمْ وَتَسْتَقْبِلُوْنَ؟

''کون تمہارا استقبال کر رہا ہے اور تم کس کا استقبال کر رہے ہو؟''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی وحی اترنے والی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: کسی دشمن سے جنگ ہونے والی ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ عرض کیا: پھر کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ فِی أَوّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِكُلِّ أَهْلِ الْقِبْلَةِ۔ (منذری، الترغیب والترہیب)

”بے شک اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی پہلی رات ہی تمام اہلِ قبلہ کو بخش دیتا ہے۔“

۲......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جیسے ہی ماہ رجب کا چاند طلوع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمّ بَارِکْ لَنَا فِی رَجَبٍ، وَشَعْبَانَ، وَبَارِکْ لَنَا فِی رَمَضَانَ.(اُبونعیم،حلیۃ الأولیاء)

”اے اللہ! ہمارے لئے رجب، شعبان اور (بالخصوص) ماہ رمضان کو بابرکت بنادے۔“

۳۔عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللّٰہ عنھما قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ؟ قَالَ: ذَالِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ۔(سنن نسائی، ومسند احمد)

”حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس قدر آپ شعبان میں روزے رکھتے ہیں اس قدر میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان میں (آتا) ہے اور لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں حالانکہ اس مہینے میں (پورے سال کے) اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے عمل روزہ دار ہونے کی حالت میں اُٹھائے جائیں۔“

☆......ایک حدیث شریف میں ارشاد نبوی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہی رہے۔“ (صحیح ابن خزیمہ)

☆......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

”میری امت کو پانچ چیزیں رمضان کے بارے میں خاص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں:

۱...... یہ کہ ان کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲......اللہ تعالیٰ روزہ داروں کے لیے ہر روز جنت آراستہ فرماتے ہیں، پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کو تری طرف آئیں۔

۴......سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں ان برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔

۵......رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لیے مغفرت کی جاتی ہے۔

صحابہ نے پوچھا کیا یہ شبِ مغفرت شب قدر ہے؟ فرمایا: نہیں!، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔''

درمنثور میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رمضان المبارک آتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا تھا، نماز میں اضافہ ہوجاتا اور دعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے، خوف غالب ہوجاتا تھا۔ (شعب الایمان)

روزہ کے بھی کچھ آداب ہیں، اگر ان آداب کا خیال نہ رکھا جائے تو سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ (ابن ماجہ)

ماہ شعبان ماہ رمضان کے لئے مقدمہ کی مانند ہے لہٰذا اس میں وہی اعمال بجالانے چاہییں جن کی کثرت رمضان المبارک میں کی جاتی ہے یعنی روزے اور تلاوتِ قرآن حکیم۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

''ماہ شعبان میں روزوں اور تلاوتِ قرآن حکیم کی کثرت اِس لیے کی جاتی ہے تاکہ ماہ رمضان کی برکات حاصل کرنے کے لئے مکمل تیاری ہوجائے اور نفس، رحمٰن کی اِطاعت پر خوش دلی اور خوب اطمینان سے راضی ہوجائے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول سے اِس حکمت کی تائید بھی ہوجاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ شعبان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

كَانَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا دَخَلَ شَعْبَانُ أَكَبُّوا على المصاحِفِ فقرؤوها، وأَخْرَجُوا زَكَاةَ أموالهم تقوِيَةً للضّعيفِ والمسكينِ على صيامِ و رمضانَ ۔ (ابن رجب حنبلی، لطائف المعارف: 258)

''شعبان کے شروع ہوتے ہی مسلمان قرآن کی طرف جھک پڑتے، اپنے اَموال کی زکوۃ نکالتے تاکہ غریب، مسکین لوگ روزے اور ماہ رمضان بہتر طور پر گزار سکیں۔''

روزے کے آداب:

مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور ذکر فرمائے ہیں جن کا روزہ دار کے لیے اہتمام بہت ضروری ہے۔

۱......اول نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے، بے محل سے مراد ناجائز کام ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس میں ہر ایسی چیز کا دیکھنا داخل ہے جو دل کو حق تعالیٰ شانہ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ کردے۔ آج کل ہر

آدمی کے پاس کے موبائل ہے، یہ ضرورت سے زیادہ آلہ لہو ولعب اور تضیع اوقات کا سبب ہے۔ چوں کہ ہر وقت دستیاب ہوتا ہے؛ اس لیے اس کا بے مقصد استعمال بہت کثرت سے ہوتا ہے۔ انسان چاہے یا نہ چاہے بدنگاہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عریاں تصویروں پر نگاہ پڑتی ہے، روزے اور عبادات کی ساری حلاوت ایک لمحے میں غارت ہو جاتی ہے۔ اس لیے کم از کم اس ماہ مبارک میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲......دوم زبان کی حفاظت ہے، جھوٹ، غیبت، لغو گفتگو، بدکلامی، جھگڑا وغیرہ۔ اس میں داخل ہیں۔ اس لیے روزے کی حالت میں زبان کی بے حد حفاظت ضروری ہے۔ بعض مشایخ کے ہاں تو رمضان المبارک میں چلہ کاٹا جاتا تھا اور اس بات کی پابندی ہوتی تھی کہ کسی سے کوئی بات چیت نہیں کرنی، سوائے ذکر و تلاوت کے۔

۳......سوم کانوں کی بے حد حفاظت کی جائے، اس میں بھی غیبت سننا، گانا سننا، لغو باتیں سننا وغیرہ سب شامل ہے، آج کل لوگ روزہ کاٹنے کے لیے ٹی وی لگا کر بیٹھ جاتے ہیں کہتے ہیں کہ جی ہم خبریں سنتے ہیں یا رمضان سے متعلق ٹی وی پر وعظ و نصیحت سنتے ہیں، یہ بھی درست نہیں، اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

۴...... چہارم یہ کہ روزہ دار اپنے تمام اعضاء بدن کو ناجائز کاموں سے بچا کر رکھے، مثلاً گناہ کے کام کے لیے چل کر جانا، حرام کھانا پینا وغیرہ اس سے بہت بچنا چاہیے۔

۵......پنجم یہ کہ کھانے پینے میں اعتدال رکھے، سحری اور افطاری میں اتنا نہ کھایا جائے کہ طبیعت بوجھل ہو جائے اور رمضان المبارک کا جو اصل مقصود ہے یعنی نوافل، ذکر و تلاوت فوت ہو جائیں۔ رمضان المبارک کو ان آداب کے ساتھ گزارا جائے کہ رمضان میں اپنے آپ کو ہر طرح کے کاموں سے فارغ کرلیا جائے اور ایک مہینہ لگ کر اور خوب جم کر ذکر و عبادات میں اوقات صرف کیے جائیں۔

۶...... چھٹا ادب یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس بات سے ڈرتا رہے کہ معلوم نہیں کہ روزہ قبول بھی ہوا یا نہیں؟!۔ بلکہ ہر عبادت کے بعد یہی سوچنا چاہیے اور اپنے اعمال کو بہتر سے بہترین بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اسی طرح نماز اور دیگر اعمال کے بارے میں ہے۔ اس لیے خوب ہمت اور خلوص نیت سے اعمال کو انجام دینا چاہیے۔

۷......ایک ساتواں ادب بھی ہے، جو خواص کے متعلق ہے؛ وہ یہ کہ دل کو اللہ کے ماسوا کسی سے نہ لگائے، کسی بھی غیر کی طرف متوجہ نہ ہونے دے۔

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہِ مبارک کی برکات اور اس کے ثمرات سمیٹنے کی خوب توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

مقالات ومضامین

ماہِ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات

(حصہ اوّل)

مولانا محمد اجمل قاسمی

اسلام میں جو عبادتیں رکھی گئی ہیں ان کا اصل مقصد ان عبادتوں کے ذریعہ رب العالمین کی عظمت وکبریائی کا اقرار واعتراف اوراس کے حضور اپنی بندگی، سرافگندی اورتواضع وعاجزی کا اظہار ہے،نماز وزکاۃ ہو یا روزہ وحج یہ ساری عبادتیں ان مقاصد میں مشترک ہیں،ان عمومی اور مشترکہ مقاصد کے ساتھ ان عبادتوں کے کچھ اور بھی ضمنی مقاصد ہیں جو قرآن وحدیث کے مطالعہ سے ہمارے سامنے آتے ہیں؛ چنانچہ ان عبادتوں کا ایک اہم مقصد بندوں کی دینی اورروحانی تہذیب وتربیت بھی ہے،جس طرح ہر عبادت کا انداز،طرز عبادت اوراس کے ارکان وشرائط جداجدا ہیں، اسی طرح ان کی تاثیریں بھی الگ الگ ہیں،جن سے الگ الگ پہلوؤں سے بندوں کی تکمیل اورتربیت ہوتی ہے۔

چنانچہ نماز انسان کو بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، زکاۃ سے حب دنیا کا علاج ہوتا ہے جو ہر برائی کی جڑ ہے، حج اللہ کی محبت میں سرشاری اور کامل بندگی پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہے،اورروزہ سے تقوی حاصل ہوتا ہے، نفس کے وہ حیوانی شیطانی اورشہوانی تقاضے کمزور ہوتے ہیں جوانسان کو دنیا اوردنیا کی لذتوں کی طرف کھینچتے اورفکر آخرت سے غافل کرتے ہیں، روزہ قلب وروح کی بہترین غذا اوران کی طہارت وپاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے، روزہ سے انسان میں ذوق طاعت پیدا ہوتا ہے،اس کا مزاج فرشتوں کے مزاج سے کافی ہم آہنگ اورقریب ہوجاتا ہے،فرشتے اللہ کے محبوب اورمحترم بندے ہیں، لہٰذا ان کی مشابہت اختیار کرنے والا بھی اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، روزہ انسان کوخواہشات پرکنٹرول کرنا سکھاتا ہے، صبر کا عادی بناتا ہے، بھوک وپیاس کا احساس دلا کر بھوکوں اور پیاسوں کے لیے ہمدردی اورخیرخواہی کے جذبات پیدا کرتا ہے، غیبت وبدگوئی اورفحش وبیہودہ باتوں سے روک کراس میں بہترین اخلاق پیدا کرتا ہے، روزہ اعلی درجہ کا اخلاص سکھاتا ہے، روزے میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں جب تنہائی بھی ہوتی ہے، بھوک وپیاس کا شدید تقاضہ بھی ہوتا ہے، اورکھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا ہوتیں، کوئی دیکھنے والانہیں ہوتا، صرف اللہ کی آنکھ دیکھ رہی ہوتی ہے، جس کے لحاظ اور ڈر سے بندہ بھوک پیاس پرصبر کرجاتا ہے، روزہ دار کا یہی اخلاص ہے جس کی بنا پر اس کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے عزیز

تر ہے، اور کل قیامت کے دن اس کو اپنے اس اخلاص کا صلہ خاص اللہ کے ہاتھوں سے ملنے والا ہے، روزہ گناہوں کے معاف کرانے اور نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرنے بہترین ذریعہ ہے، اس کے لیے بس ذرا سی توجہ اور ہمت درکار ہوتی ہے۔ (زادالمعاد ابن القیم ۱/۲٦٦)

روزہ ہو یا دوسری عبادتیں؛ ان کے مقاصد اوران کے فوائد وثمرات اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب کہ ان کو پورے ذوق وشوق سے ان کے شرائط وآداب کے ساتھ انجام دیا جائے، اس کے بغیر مطلوبہ فوائد پوری طرح حاصل نہیں ہوتے، عبادات میں ذوق وشوق پیدا کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ کی سیرت وعمل ہیں اوران کے شرائط وآداب جاننے کا سب سے بنیادی ذریعہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ کے ارشادات وفرمودات ہیں؛ اس لیے آیئے ذیل کی سطروں میں یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ رسول اللہ روزے کے سب سے حسین موسم رمضان المبارک کو کس طرح گذارتے تھے، آپ کے معمولات کیا ہوتے تھے، اورآپ نے روزوں کے خیر وبرکت پانے کے لیے امت کو کیا ہدایات دیں؟

عبادت وریاضت اور دعاؤں کا غیر معمولی اہتمام:

رسول اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہے، آپ ایک رسول تھے، داعی و مصلح تھے، حاکم وقت تھے، قاضی وفیصل تھے، قائد اور سالار لشکر تھے، آپ پر خانگی اور عائلی اور نہ جانے کون کون سی ذمہ داریاں تھیں اور آپ بیک وقت یہ ساری ذمہ داریاں اس طرح بحسن خوبی انجام دیتے تھے، کہ کہیں کوئی خلل اور کمزوری نظر نہیں آتی؛ مگر ان تمام ذمہ داریوں اوراوصاف حمیدہ میں جو سب سے نمایاں اور غالب وصف ہے وہ آپ کی عبدیت و بندگی اور ذوق عبادت ہے، امن ہو جنگ ہو، رزم ہو بزم ہو، سفر ہو حضر ہو، خلوت ہو جلوت ہو، آپ کو نمازوں کا اہتمام ملے گا، روزوں کی کثرت ملے گی، عبادت ریاضت ملے گی، ذکر ومناجات ملے گی، آہ سحر گاہی اور نالہ نیم شبی ملے گا، لمبے سجدے ملیں گے، طویل دعائیں ملیں گے، رب کے حضور عجز و نیاز ملے گا، حضور کی زندگی کے جس پہلو کو بھی چاہیں اٹھالیں، کوئی پہلو بھی عبدیت وبندگی سے خالی نہیں ملے گا۔

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام زندگی میں بھی آپ کی عبدیت اور ذوق عبادت کا پہلو بہت ہی نمایاں اور ممتاز تھا، تو پھر رمضان کے کیا کہنے! یہ تو طبع مبارک کے لیے خاص بہار ونشاط کا زمانہ تھا، ذوق عبادت اپنے عروج پر ہوتا، مشقت ریاضت بڑھ جاتی، خوف وخشیت کا غلبہ ہوتا، دعاؤں میں الحاح وزاری کی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا؛ یہاں تک کہ مجاہدے کے اثر اور خوف وخشیت کے غلبے سے آپ کا رنگ بدل جاتا؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

’’كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَآلِهِ وَسَلّمَ إذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيّرَ لَونُهُ وَكُثُرَتْ صَلَاتُهُ وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَأشْفَقَ مِنهُ (بیہقی شعب الایمان)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ جب رمضان داخل ہوتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا، نمازوں میں اضافہ ہوجاتا، دعاؤں میں خوب الحاح وزاری کرتے، خوف وخشیت کا غلبہ ہوتا۔‘‘

رمضان میں آپ کے یہ جو مختصر حالات اس حدیث میں بیان ہوئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہی شخص رمضان المبارک کی برکتوں سے صحیح طور پر فیض یاب ہوسکتا ہے جسے اس مبارک مہینے میں نیکیوں کی دُھن لگی ہو، اس کے ایک لمحے کی قدر کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتا ہو، اور آخرت کے ثواب اور جنت میں بلند مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے راحت وآرام کو تج دیتا ہو، ہمارے بزرگوں کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی پیروی کرتے ہوئے رمضان میں راحت آرام اور غیر ضروری مصروفیات کو چھوڑ کر ریاضت ومجاہدے کے لیے اپنے کو وقف کر دیتے، اور اس کی برکتوں سے پوری طرح فیض یاب ہوتے۔

سحری وافطاری:

دین نام ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا، جس وقت جو حکم ہو بندہ چوں چرا کے بغیر اس کے تعمیل کے لیے آمادہ رہے، روزے میں اللہ تعالی نے دن بھر کھانے پینے اور شرم گاہ کی خواہشات کو حرام قرار دیا ہے، طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب کے درمیانی وقفے میں پانی کا ایک قطرہ بھی حلق سے اتر آئے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس طرح اللہ بندوں کے جذبہ اطاعت اور صبر واستقامت کا امتحان لیتا ہے؛ مگر روزہ وقت پورا ہوتے ہی افطار کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے؛ بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے، ان پر برکت اور خیر ومغفرت کے وعدے کیے ہیں، بندوں کے ضعف کی رعایت کرتے ہوئے افطاری میں جلدی اور سحری میں تاخیر کو افضل قرار دیا ہے؛ تاکہ روزے کا عمل ان کے لیے آسان بھی ہو اور مختصر بھی، بندہ روزہ رکھ کر بھی اللہ کے الطاف وعنایات کا مورد بنتا ہے اور سحری اور افطار میں کھا پی کر بھی انعام ونوازش کا مستحق قرار پاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً خود بھی سحری وافطاری کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے؛ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تَسَحّرُوا فَإنّ فِي السُّحُورِ بَرَكَة‘‘ (مسلم)

’’سحری کیا کرو، اس لیے کہ سحری میں برکت ہے۔‘‘

ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشادفرمایا:

''أمِرْنَا اَنْ نُعَجِّلَ اِفْطَارَنَا وَنُوَخِّرَ سُحُورَنَا'' (السنن الکبری)

(ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم افطار میں جلدی کریں اور سحری میں تاخیر کریں)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

''لایَزَالُ النّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجّلُوْا الْاِفْطَارَ'' (صحیح مسلم وجامع الترمذی)

''لوگ جب تک افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے خیر کے ساتھ رہیں گے۔''

ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

''قَالَ اللّٰهُ تَعَالَی أحَبُّ عِبَادِیْ إلیّ أعْجَلُهُمْ فِطْرًا'' (جامع الترمذی)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں مجھے سب زیادہ محبوب وہ ہے جو افطار میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہو۔''

سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے کی فضلیت میں بہت سی رواتیں وارد ہوئیں، بعض طبیعتیں حد درجہ احتیاط پسند ہوتی ہیں؛ مگر سحری اور افطاری میں حد درجہ احتیاط کی وجہ سے روزہ کافی لمبا ہوسکتا ہے، جو لوگوں کے لیے باعث پریشانی ہوگا؛ اس لیے سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کو مستحب قرار دیا گیا ہے؛ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ضروری احتیاط بھی چھوڑ دی جائے اور آدمی سحری میں اتنی تاخیر اور افطار میں اتنی جلدی کرنے لگے کہ روزہ ہی مشکوک ہوجائے، سحری میں ایسی تاخیر اور افطار میں اتنی جلدی جس سے روزہ ہی مشکوک ہوجائے جائز نہیں ہے۔

کھجور یا پانی سے سحر وافطار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کھجور سے سحری وافطار کرنے کی ترغیب دی ہے، اور کھجور نہ ہونے کی صورت میں پانی سے افطار کی ترغیب دی ہے، جس کی وجہ سے علماء نے کھجور اور کھجور کی عدم موجودگی میں پانی سے افطار کو مسنون قرار دیا ہے، علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور اور پانی سے روزہ افطار کی ترغیب دینا درحقیقت امت پر شفقت اور ہمدردی کی وجہ سے تھا؛ اس لیے کہ خالی معدہ میٹھی چیز کو زیادہ قبول کرتا ہے، اور جسم کو اس سے اور چیزوں کی بنسبت زیادہ توانائی حاصل ہوتی ہے، رہا پانی کا استعمال تو معدہ میں دیر سے بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے خشکی پیدا ہوجاتی ہے، شروع میں تھوڑا پانی استعمال کرنے سے معدے میں تری پیدا ہوجاتی ہے، جس سے بعد میں کھائی جانی والی غذا زیادہ صحت بخش ہوجاتی ہے، یہ تو جسمانی فائدہ ہوا، کھجور اور پانی کے ایک ساتھ استعمال سے کچھ ایسی خاصیت بھی پیدا ہوجاتی ہے جو قلب کے صلاح میں بھی موثر ہے، اہل اللہ پر یہ

تاثیر مخفی نہیں۔'' (زادالمعاد)

ابن القیم رحمۃ اللہ نے زادالمعاد میں ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی افطار میں کھجور یا پانی کا استعمال فرماتے تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''كَانَ يُفْطِرُ صَلّى اللهُ عَلى رُطَبَاتٌ قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتَمَرَاتٌ، فَاِنْ لَمْ يَكُنْ تَمَرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ'' (سنن ابی داؤد و جامع الترمذی)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب کی ادائیگی سے پہلے چند تر کھجوروں سے افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو چند چھوہاروں سے افطار کرتے اور اگر چھوہارے بھی نہ ہوتے تو آپ پانی کے چند گھونٹ نوش فرماتے۔''

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے صحابہ کو کھجور اور پانی کی ترغیب دیتے ہوا ارشاد فرمایا:

''إذاافطر أحدكم فَلْيُفْطِرْ على تَمرٍ؛ فإنّه بركةٌ، فإنْ لم يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ على ماءٍ؛ فإنّه طهور'' (جامع الترمذی)

''تم میں جب کوئی افطار کرے تو کھجور سے کرے؛ اس لیے کہ کھجور میں برکت ہے، پس اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کرلے؛ اس لیے کہ پانی نہایت پاک چیز ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نِعْمَ سُحُورُ المُومِنِ التّمَرُ'' (سنن أبي داود)

کھجور مومن کے لیے کیا بہترین سحری ہے!۔

قیام اللیل اور تراویح:

انسان درحقیقت دو عنصر سے بنا ہے، ایک اس کا حیوانی وجود ہے، جس کی وجہ سے انسان میں کھانے پینے راحت وآرام کے تقاضے اور جنسی خواہشات ہوتی ہیں، اور انسان کا ایک ملکوتی اور روحانی وجود ہے جس سے انسان میں ذوق عبادت، طاعت وبندگی، اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی حمد وثنا کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، حیوانی وجود انسان کو پستی کی طرف کی ڈھکیلتا ہے، جب کہ روحانی اور ملکوتی عنصر آدمی کو بلندی اور اللہ کے قرب کی طرف کھینچتا ہے، روزے میں انسان کھانا پینا اور جنسی شہوتوں کو ترک کر کے اپنے حیوانی اور بہیمی عنصر کو کمزور اور روحانی وملکوتی عنصر کو صحت مند اور توانا بناتا ہے اور پھر اس پر مزید عبادتوں کا اہتمام کر کے ملکوتی وجود کو پیہم ایمانی غذا دیتا ہے؛ تا کہ اس کا روحانی وجود غالب اور حیوانی وجود مغلوب ہوجائے کہ یہی انسان کی دنیوی واخروی سعادت کا ذریعہ ہے، رمضان میں مختلف

عبادتوں کا اہتمام کرایا جاتا ہے، جس میں ایک عبادت قیام اللیل اور تراویح کی نماز ہے، رسول اللہ خود بھی قیام اللیل کا اہتمام کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس ترغیب بھی دیتے تھے، چنانچہ ''عبادت وریاضت کے اہتمام'' کے عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حالات گذر چکے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ جب رمضان داخل ہوتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا، نمازوں میں اضافہ ہوجاتا، دعاؤں میں الحاح وزاری کرتے، خوف وخشیت کا غلبہ ہوتا۔''

اس ارشاد میں یہ وضاحت ہے کہ رمضان میں آپ کی نمازیں اوردنوں کے مقابلے میں بڑھ جاتی تھیں اس سلسلے کی بعض اور روایات بھی پیش کی جاتی ہیں؛ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيهِ وَسَلّمَ يُرَغّبُ فِى قِيامِ رَمَضَانَ مِنْ غيرِ أنْ يَامُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ فَيَقُولُ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيمَاناً وَاحْتِسَاباًغُفِرَ لَهُ مَا تَقَدّمَ مِنْ رَمَضَانَ مِنْ ذَنْبِهِ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيهِ وَسَلّم وَالأمْرُ عَلَى ذَلِكَ، ثُمّ كَانَ الأمْرُ عَلَى ذَلِكَ فِيْ خِلافَةِ أبِى بَكْرٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ وَصَدْرًا مِنْ خِلافَةِ عُمَرَ رَضِى اللّهُ عَنْهُ عَلىٰ ذٰلِكَ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے وجوب کا حکم نہیں، آپ فرماتے: جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز تراویح پڑھے اللہ پر ایمان رکھتے اور اس سے ثواب کی امید کرتے ہوئے تو اللہ اس کے سابقہ گناہوں کا معاف کردے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی عمل رہا، دورصدیقی اور ابتداء دور فاروقی میں بھی یہی عمل رہا'' (صحیح مسلم)

اور ایک روایت میں ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إنّ رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ صَلّى فِيْ الْمَسْجِدِ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَصَلّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ، ثُمّ صَلّى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النّاسُ، ثُمّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللّيْلَةِ الثّالِثَةِ أوِ الرّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إلَيهِمْ رَسُولُ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيهِ وَسَلّمَ، فَلَمّا أصْبَحَ قَالَ: قَدَ رَأيْتُ الّذِىْ صَنَعْتُمْ، فَلَمْ يَمْنَعْنِىْ مِنَ الْخُرُوجِ إلَيْكُمْ إلّاأنِّيْ خَشِيتُ أنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ قَالَ: وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات جب آپ نے نماز پڑھی تو مقتدی زیادہ ہوگئے، تیسری یا چوتھی رات آپ نماز تراویح کے لیے تشریف نہ لائے، اور صبح کو فرمایا: میں نے تمہارا وہ شوق دیکھا جس کا مظاہرہ تم نے رات میں کیا، اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں (تراویح) فرض نہ کردی

جائے‘‘(صحیح مسلم)

مذکورہ بالا احادیث چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ چند رات تراویح باجماعت پڑھی۔

(۲) پھر جب لوگوں کا شوق دیکھا تو اس اندیشہ سے جماعت ترک کردی کہ کہیں تراویح باجماعت فرض نہ ہوجائے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ نے جماعت کا اہتمام گرچہ ترک کردیا؛ لیکن خود بھی رمضان کی راتوں میں نمازوں کی کثرت رکھتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیب دلانے سے لوگ خود حضور کی حیات طیبہ اور اس کے بعد دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی زمانے میں اپنے اپنے طور پر تراویح کا اہتمام کرتے تھے۔

(۵) نماز تراویح میں انتہائی ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

(۶) تراویح اگر اخلاص کے ساتھ ادا کی جائے تو اس سے عمر بھر کے گناہ (صغیرہ) معاف ہوجاتے ہیں۔

تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز باجماعت پڑھائی تھی اور پھر فرض کے خوف سے ترک کردیا تھا، آپ کی وفات کے بعد فرضیت کا اندیشہ ختم ہوگیا تھا؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں چند سالوں کے بعد اس کو حضور صلی اللہ علیہ کے ابتدائی طریقے کے مطابق باجماعت شروع کردیا، جسے صحابہ نے پسند فرمایا اور وہی طریقہ امت میں آج تک چلا آرہا ہے۔

بہرحال تراویح رمضان کا بہت اہم اور مبارک عمل ہے، اس کی ادائیگی مغفرت کا ذریعہ اور باعث اجروثواب ہے اور اس سے غفلت بہت بڑی محرومی کا سبب ہے۔

تہجد کا اہتمام:

تہجد کی نماز اللہ تعالی نے بندوں کے ضعف کی رعایت کرتے ہوئے گو فرض نہیں کی ہے؛ مگر اس کے فضائل اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے اور نفس کی سرکشی کا دور کرنے میں اس کا بڑا اہم کردار ہے، احادیث میں اس نماز کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہیں، خود اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں بڑے زوردار انداز میں اس کی تاکید کی ہے، سورہ مزمل کی ابتدائی آیات اس کی تاکید وترغیب اور اہمیت فضیلت کے بیان میں وارد ہوئی ہیں، تہجد کا فائدہ بتاتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

’’اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَاَقْوَمُ قِيْلاً‘‘ (المزمل:٦)

بیشک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔یعنی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے سے انسان کے لیے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا آسان ہوجاتا ہے، اور رات کے وقت چوں کہ شور وغل نہیں ہوتا؛ اس لیے تلاوت اور دعا ٹھیک ٹھیک اور حضور قلب کے ساتھ ادا ہوتی ہے، دن کے وقت یہ فائدے کم ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تہجد کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''**عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ**''(سنن النسائی)

''لوگو! رات میں اللہ کے حضور نمازوں میں کھڑے ہونے کو لازم پکڑلو؛ اس لیے کہ یہ تم سے پہلے نیکوں کا طریقہ رہا ہے۔''

تہجد آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام دنوں میں بھی پڑھتے تھے اور رمضان میں بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''**مَاكَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَافِيْ غَيْرِهِ عَلَى أَحَدَ عَشْرَةَ رَكعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَاتَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنّ وَطُوْلِهِنّ، ثُمّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَاتَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنّ وَطُوْلِهِنّ، ثُمّ يُصَلِّي ثَلَاثًا**''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم رمضان اور رمضان کے علاوہ میں بھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے، مت پوچھیے یہ چار رکعتیں کتنی اچھی اور کتنی لمبی ہوتی تھیں، پھر آپ مزید چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے، مت پوچھیے کہ یہ چار رکعتیں کتنی اچھی اور کتنی لمبی ہوتی تھیں، پھر آپ تین رکعتیں پڑھتے تھے۔''(صحیح البخاری)

اس حدیث میں کل گیارہ رکعت کا ذکر ہے، جس میں آٹھ رکعتیں تہجد کی ہیں، اور تین رکعتیں وتر کی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کا ہی تھا؛ مگر بعض اوقات آپ نے بارہ اور چار رکعت بھی ادا فرمائی ہے۔

عام دنوں میں تہجد کی ادائیگی قدرے مشکل کام ہے، رات کے آخری پہر میں نیند گہری ہوتی ہے، ایسی گہری اور میٹھی نیند کو قربان کر کے تہجد ادا کرنا طبیعت کے لیے خاصا دشوار ہے؛ مگر رمضان میں سحری کے لیے ہر کوئی بیدار ہوتا ہے، تہجد اور تلاوت کا ایک ماحول ہوتا ہے، لہٰذا رمضان میں تہجد کی ادائیگی بہت ہی آسان ہے، بس ذرا اس طرف توجہ کی ضرورت ہے، یہ نماز بڑے فضائل رکھتی ہے، کم از کم رمضان میں ان فضائل کے حاصل کرنے کا اہتمام تو کرنا ہی چاہیے، افسوس کہ بہت سے لوگ اپنی ذراسی غفلت کی وجہ سے بہت بڑے خیر سے محروم رہ جاتے ہیں۔

عشرۂ اخیرہ میں خصوصی اہتمام اور گھر والوں کو شب بیداری کی ترغیب:

یوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا رمضان عبادت و ریاضت کے لیے وقف تھا؛ مگر عشرۂ اخیرہ میں یہ اہتمام مزید بڑھ جاتا تھا، راتوں رات عبادت میں مشغول رہتے، گھر والوں کو بھی جگاتے اور نماز وعبادت میں مشغول ہونے کی ترغیب دیتے؛ چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَا اللَّيلَ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ'' (جامع الترمذی ومسند احمد)

''جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ راتوں کو عبادت سے آباد کرتے، اپنے گھر والوں عبادت کے لیے بیدار کرتے، اور کمر کس لیتے''

کمر کس لینے کا یہاں دو مفہوم ہوسکتا ہے، ایک تو یہ کہ آپ بیویوں سے ملنا ملانا بھی ترک کردیتے اور ہمہ وقت صرف یادِ الٰہی میں مصروف رہتے، اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپ عبادت و ریاضت کے لیے حد درجہ مستعد ہو جاتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِيْ الْعَشْرِ الاَوَاخِرِ مَا لَايَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهَا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم)

کیا ہی اچھا ہو کہ آدمی رمضان کے آخری عشرے کی برکتوں اور سعادتوں سے خود بھی زیادہ سے زیادہ حصہ پائے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کی ترغیب دے، آخر دنیا کی بھلائیوں میں ہم اپنے گھر والوں کو یاد رکھتے ہی ہیں اور ان کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کے لیے فکرمند رہتے ہیں، تو پھر ان کی آخرت کی بھلائی کے لیے ان کے تئیں فکرمند کیوں نہ ہوں۔ (باقی آئندہ)

''اے اللہ! تُو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ

''بے شک، اللہ اس کو نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک بنائے، اس کے سوا جسے چاہے بخش دے' (النساء: ۴۸)۔ تو اے اللہ!...... تُو مجھے اُن لوگوں میں سے کردے جن کے لیے تُو نے یہ چاہا کہ تُو نے اُنہیں بخش دیا!'' (حضرت مُعاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ)

(المحتضرین لابن أبی الدنیا)

میدانِ تیہ، کوہِ طور، وادیِ مقدس اور صحرائے سینا

ایک تعارف

مولانا مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

''میدان تیہ'' مصر اور شام کے درمیان ستائیس میل کا ایک وسیع وعریض میدان ہے۔ اسے ''وادی تیہ'' اور ''صحرائے سینا'' بھی کہتے ہیں۔ یہ جزیرہ نمائے سینا کا ایک حصہ ہے، مکمل جزیرہ نمائے سینا تقریباً 67 ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ فی الحال یہ خطہ عربی جمہوریہ مصر کا حصہ ہے۔

اس کے شمال میں بُحیرہ روم، مغرب میں خلیج سویز اور نہر سویز، مشرق میں فلسطین (غزہ کی پٹی اور اسرائیل)، خلیج عقبہ، اور جنوب میں بحیرہ احمر (لال سمندر، بحر قلزم) واقع ہے۔ اسے براعظم افریقہ اور ایشیا کے درمیان لنک سمجھا جاتا ہے، اس وادی سے اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے بہت سے آثار وابستہ ہیں، اسی میدان میں بنو اسرائیل اپنے نبی حضرت موسیٰ کے ساتھ گستاخانہ اور عدم تعاون کا رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہے۔ ''تیہ'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں سرگرداں رہنا، گھومتے رہنا۔ تیہ لق ودق بیابان یا ایسے بیابان کو بھی کہتے ہیں جس میں مسافر گم ہو جائے۔

چوں کہ بنی اسرائیل اس میدان میں دن رات چلتے رہتے تھے؛ لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام کو جہاں سے چلتے تھے صبح وہیں پہنچ جاتے تھے؛ اسی لیے وادی سینا کے اس حصے کا نام وادی تیہ یا میدان تیہ پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کی اس کیفیت کی عکاسی کرنے کے لیے ''یتیہون'' کا جملہ استعمال فرمایا۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (٦٢)

ترجمہ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: پس چالیس سال تک وہ زمین ان پر حرام ہے، یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے، تو (اے موسیٰ!) آپ (اس) نافرمان قوم پر افسردہ نہ ہوں۔

اُس وقت یہ وادی ایک چٹیل میدان کی طرح تھی، اس وادی میں نہ کوئی سایہ دار درخت تھا اور نہ ہی کوئی عمارت تھی، ان کے پینے کے لیے نہ تو پانی میسر تھا، نہ کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات؛ اس بے سروسامانی کے عالم میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی قوم کی حالت پر بڑا ترس آیا اور بدحالی کو دور کرنے کے

لیے رب العالمین سے دعا کی، ان کی دعا سے ان کے لیے راحت کے سب سامان مہیا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دھوپ سے بچاؤ اور سایہ کے حصول کے لیے بادل بطور سائبان نازل فرمادیا، کھانے کے لیے من وسلویٰ بھیج دیا۔

اسی خطہ میں واقع پہاڑ کو قرآن کریم میں ''طور سینا'' بھی کہا گیا ہے اور ''طور سینین'' بھی۔ اسے ''جبل موسیٰ اور جبل طور'' بھی کہتے ہیں۔ ''سینین'' دراصل جزیرہ نمائے سینا ہی کا دوسرا نام ہے، اب یہ سارا ہی علاقہ جس میں کوہ طور واقع ہے اور جواب مصر کے قبضہ میں ہے، ''صحرائے سینا'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ سینین بنیادی طور پر اس خطہ کا نام ہے؛ البتہ اس کے کئی اور معانی بھی آتے ہیں، جن میں ''خوب صورت، اچھا، وہ پہاڑ جس پر گھنے یا پھل دار درخت ہوں، شامل ہیں۔ طور سینین کو سورۃ المومنون کی آیت نمبر 20 میں طور سیناء کہا گیا ہے اور آج کل بھی سیناء کا نام سیناء ہی ہے۔

صحرائے سینا اور کوہ طور یہ دونوں مصر کے ایشیائی حصے میں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ آپ اگر زمین کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو لال سمندر (بحیرۂ احمر) غلیل کی وی (V) کی طرح دو حصوں میں بہتا نظر آئے گا، غلیل کی یہ وی درمیان میں مثلث بناتی ہے اور یہ مثلث سینا کہلاتا ہے، مثلث کی نوک پر مصر کا سیاحتی شہر ''شرم الشیخ'' آباد ہے؛ جب کہ اوپری حصہ چار ملکوں اور بحیرہ روم سے جا ٹکراتا ہے، وہ چار ملک سعودی عرب اردن فلسطین، اسرائیل اور مصر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دو مرتبہ اس مثلث یعنی جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے۔ آپ پہلی بار اس وقت سینا میں آئے جب آپ فرعون کے لے پالک صاحبزادے تھے آپ کی پرورش محل میں ہوئی تھی، آپ فرعون کے وارث بن رہے تھے؛ لیکن پھر ان سے نادانستہ طور پر ایک قبطی قتل ہو گیا اور آپ سزا اور فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے سینا میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ سینا اس وقت فرعون کی سلطنت میں شامل نہیں تھا، حضرت موسیٰ صحرا میں چلتے چلتے مدائن پہنچ گئے، دوسری بار جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے بنو اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات عطا کی۔

آپ نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا، اپنے عصا سے ''ریڈسی'' کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور بنی اسرائیل کے ساتھ دوبارہ صحرائے سینا میں داخل ہو گئے؛ جب کہ فرعون اپنی فوج سمیت ریڈسی میں غرق ہو گیا۔ فرعون سے نجات پا کر آپ اپنی امت کے ساتھ کوہ طور کے گرد پناہ گزین ہو گئے۔

سورۂ تین میں اللہ تعالیٰ نے طور سینین کی قسم بھی کھائی ہے، ''سینا/سینین'' ایک بلند پہاڑ ہے جو مصر سے مدین یا مدین سے مصر جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔ اسی پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام ''طور'' ہے۔ اسی پہاڑی پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی وہ تجلی دکھائی تھی جس کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے تھے۔

اس واقعہ کی طرف سورہ اعراف آیت 143 میں اشارہ کیا گیا ہے: وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ (۱۴۳)۔

ترجمہ:اور جب موسیٰ ہمارے وعدے کے وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا، تو اس نے عرض کی:اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا؛ تاکہ میں تیرا دیدار کرلوں۔(اللہ تعالیٰ نے)فرمایا:تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا؛ البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ، یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا تو اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے، پھر جب ہوش آیا تو عرض کی: یارب تو پاک ہے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

صورتِ حال یہ بنی تھی کہ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا؛ تو کلامِ ربانی کی لذت نے انھیں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے دیدار کا مشتاق بنادیا؛ چنانچہ شدت شوق میں بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھادیجیے؛ تاکہ میں تیرا دیدار کرلوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ''طور'' کی قسم بھی کھائی ہے اور اس نام سے ایک مکمل سورہ بھی اتاری ہے۔کوہِ طور ان مقامات میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے۔

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طور سینا میں مختلف واقعات رونما ہوئے ہیں؛ جن میں حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا، چالیس دن کا میقات، بنی اسرائیل کے 70 لوگوں کے ساتھ میقات پر جانا اور حضرت موسیؑ کی وفات شامل ہیں۔ایک روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اردن میں ''کوہِ نبو'' کے دامن میں ہوئی۔ اسی پہاڑ کے دامن میں ایک وادی ہے جس کا نام ''طویٰ'' ہے جسے قرآن میں وادی مقدس اور البقعۃ المبارکہ بھی کہا گیا ہے۔اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور دو دفعہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

قرآن میں اس کا ذکر دو جگہ ہے۔سورہ 20 آیت 12 میں فرمایا: بیشک میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم اپنے جوتے اتار دو، بیشک تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔

اسی طرح سورہ 79 آیت 16 میں فرمایا: جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں انھیں پکارا تھا۔

کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام دو مرتبہ گئے تھے۔ پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب موسیٰ وادی مقدس میں آگ کی تلاش میں تھے اور وادی میں چمکنے والا شعلہ دراصل خدا کے وجود کا نشان تھا۔اس وقت موسیٰ کو خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور انھیں خدا کی طرف سے معجزات عطا کیے گیے۔اس واقعے کا تلمیحی استعمال ان مرکبات سے ہوا ہے۔وادیِ ایمن، شجر ایمن، آگ، وادیِ مقدس، شعلہ سینا وغیرہ۔دوسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون کے قہر سے نجات دلا کر وادیِ سینا میں قیام کیا۔اس وقت موسیٰ کو بنو اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لیے شریعت عطا کرنے کے لیے کوہِ طور پر بلایا گیا۔شروع میں انھیں تیس راتوں کے لیے بلایا گیا تھا بعد میں دس

راتوں کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ جب موسی کے چالیس دن پورے ہوئے تو انھیں شریعت عطا کی گئی اور اللہ تعالی سے باتیں کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ موسی کو اللہ تعالی کے دیدار کا شوق ہوا، انھوں نے درخواست کی موسی کے جواب میں اللہ تعالی نے کہا: ''لن ترانی''، تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اپنی تجلی کا ظہور اس پہاڑ پر کریں گے، اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے؛ چناچہ اللہ تعالی نے کوہِ طور پر اپنی تجلی کا ظہور کیا وہ پہاڑ تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور پارہ پارہ ہوگیا۔ موسی بھی بے ہوش ہوکر گر پڑے اور اپنی عاجزی کا اعتراف کیا۔ اس واقعہ کا تلمیحی استعمال شعروادب میں اس کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے کثرت سے ہوا ہے۔

بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گستاخانہ رویہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ مصر سے اپنی قوم کو لے کر نکلے تو فرعون اور اس کی فوج نے آپ کا تعاقب کیا، اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو سمندر میں غرق کر دیا اور موسی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ اپنی قوم بنو اسرائیل کے ساتھ سمندر عبور کر کے بحکم الٰہی صحرائے سینا میں ٹھہرے، وہیں آپؑ کو اللہ رب العالمین کی طرف سے کوہِ طور پر بلایا گیا اور کتاب ہدایت ''تورات'' عطاء کی گئی۔ اس کے بعد آپؑ کو حکم ہوا کہ آپ اپنی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ فلسطین میں آباد مشرک اور کافر قوم (جو فلسطی کہلاتے تھے) کے ساتھ جہاد کر کے انھیں وہاں سے نکال دیں اور اپنی قوم کے ساتھ اس مقدس شہر میں داخل ہو جائیں اور وہیں مستقل بود وباش اختیار کریں؛ کیونکہ یہ ارضِ مقدس آپ کے لیے اللہ کی طرف سے موعود ہے۔

ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تعلق اس خطہ سے تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوئے۔ پھر جب حضرت موسیٰؑ انھیں مصر سے لے کر نکلے تو انھیں حکم ہوا کہ اب جاؤ اپنے اصل گھر (ارضِ فلسطین) کو دوبارہ حاصل کرو؛ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس کم ہمتی کی وجہ سے انھیں وادی تیہ میں بھٹکنا پڑا۔

چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکتے رہے، یہاں تک کہ ان کے وجود سے چار سو سال کی غلامی کے اثرات ختم ہوگئے اور وہ ایک نارمل اور آزاد انسان اور آزاد قوم بن گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی سن لی انھیں صحرا سے نکلنے کا راستہ مل گیا، اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

متعدد آیات کی تفسیر میں میدان تیہ، کوہ طور، وادی مقدس اور جزیرہ نمائے سینا کی تفصیلات متعدد مورخین و مفسرین واہل جغرافیہ نے لکھی ہے۔ ان سب کا خلاصہ پیش کیا گیا، وباللہ التوفیق!۔☆

فلسطین کی بابت چالیس اہم تاریخی حقائق

(دوسرا وآخری حصہ)

تحریر: ڈاکٹر محسن محمد صالح

اردو اِستفادہ: محمد زکریا خان

''مسئلہ فلسطین سے اہل اسلام کی وابستگی کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ اسلام ہے۔ اس خطے نے اور مسلمانوں کے عقیدے نے انہیں ایک جسم کی مانند کر دیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کی طرف اگر سواریاں کھنچی چلی جاتی ہیں (تین مسجدوں کا قصد کر کے سفر کرنا ہمارے دین میں بہت بڑی نیکی کا کام ہے بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ قصد کر کے کسی عبادت گاہ کا رخ نہیں کیا جا سکتا؛ مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) تو ارض فلسطین پر یہودی قبضے کی وجہ سے مسلمانوں کا شعور ایک جیسا ہے؛ یہاں تک کہ عوام مسلمان اپنے خطے اور علاقے کے مسائل سے بھی زیادہ اہمیت اس مسئلے کو دیتے ہیں۔ اس مقالے میں مسئلہ فلسطین کے بنیادی حقائق بہت عمدگی سے بیان کیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا متن ہر عربی اور عجمی مسلمان کو ازبر ہو جانا چاہیے بلکہ دنیا کے ہر معتدل انسان کو اس مقالے میں مذکور سچائیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر محسن محمد صالح کی یہ کاوش اگرچہ بنیادی طور پر فلسطین کے مسئلے کو بیان کرنے کیلئے لکھی گئی ہے لیکن صہیونی خطرہ صرف فلسطین کے خطے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ خطرہ پورے عالم اسلام کو ہے۔ یہودیوں کے نزدیک داؤد کی سلطنت (اسرائیل) فلسطین تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ مشرق و مغرب چہار سو دریائے فرات سے جنوب میں خط استواء تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے مسلمان اس مسئلے کو سب سے زیادہ سنگین سمجھتے ہیں اور تمام دشمنوں سے بڑھ کر اس دشمن سے نبرد آزما ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔'' (ڈاکٹر محمد عمارہ)

مسئلہ فلسطین تاریخی حقائق کے تناظر میں ایک اسلامی تجزیہ

(گزشتہ سے پیوستہ) **(21) بیت المقدس کی اسلامی شناخت مٹانا:** فلسطین کا قدیم تاریخی اور مقدس شہر 'القدس' صہیونی ریاست کے نزدیک ان اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے جسے یہودی رنگ میں رنگنا ان کے منصوبے میں شامل رہا ہے۔ بیت المقدس کے 86 فیصد علاقے کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ مقبوضہ علاقے میں دو لاکھ اڑتا

لیس ہزار فلسطینیوں کے مقابلے میں یہاں چار لاکھ اٹھاون ہزار یہودی آباد کیے گئے۔ بیت المقدس کے مشرق میں جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے دو لاکھ بیس ہزار یہودی آباد کیے گئے۔ فلسطینیوں کے محلوں سے اس علاقے کو الگ تھلگ رکھنے کے لیے اور وہاں اسلامی تہذیب کی چھاپ چھپانے کے لیے یہودی آبادی والے علاقے کے گرد اگرد شہر پناہ تعمیر کر دیا گیا ہے۔ صہیونی ریاست نے اعلان کر رکھا ہے کہ بیت المقدس ہی ان کا ابدالآباد تک دارالحکومت رہے گا۔

یہودیوں نے مسجد اقصیٰ پر کنٹرول حاصل کرنے کے ہزار جتن کیے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار (دیوار براق) کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے۔ اس دیوار کی انتہاء تک جتنا رقبہ تھا وہاں کی سب اسلامی تعمیر ختم کر دی گئی ہے اور اس اراضی کو بھی سرکاری تحویل میں لے لیا گیا ہے۔ اب تک مسجد کے زیر زمین دس کھدائیاں ہو چکی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے زیر زمین چار مستقل سرنگیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ان کھدائیوں اور سرنگوں کے نتیجے میں مسجد اقصیٰ کی بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ گئی ہیں۔ خطرہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کسی بھی وقت زمین بوس ہو سکتی ہے۔ 25 صہیونی شدت پسند تنظیمیں ایسی ہیں جو علانیہ مسجد اقصیٰ کو ڈھا کر وہاں 'ہیکل سلیمانی' تعمیر کرنے کی دھمکیاں دیتی رہتی ہیں۔ ان تنظیموں کی طرف سے مسجد اقصیٰ پر 1976ء سے لے کر 1998ء تک 112 سے زائد حملے ہو چکے ہیں۔ ان میں سے 72 حملے اوسلو پیکٹ کے بعد ہوئے ہیں۔ مسجد اقصیٰ پر یہودی شدت پسند تنظیموں کی طرف سے کیے گئے حملوں میں سب سے خطرناک 21 اگست 1969ء کی آتش زدگی کا واقعہ ہے۔

(22)......مہاجر فلسطینیوں کا دوسرے ممالک کی شہریت لینے سے انکار: بے وطن کیے گئے فلسطینیوں نے دوسرے ممالک کی شہریت اور مراعات لینے سے صاف انکار کر رکھا ہے۔ وہ اپنے وطن لوٹنے پر ہی اصرار کرتے ہیں۔ مغربی ممالک کی طرف سے فلسطینیوں کو فلسطین سے باہر آباد کرنے کے اب تک 240 منصوبے سامنے آئے ہیں لیکن ملک بدر کیے گئے فلسطینیوں نے کسی منصوبے سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ فلسطینیوں کو ان کے وطن واپس لانے کے لئے اب تک اقوام متحدہ 110 قراردادیں پاس کر چکی ہے۔ دوسری طرف صہیونی ریاست کسی صورت میں ملک بدر کیے گئے فلسطینیوں کو واپسی کی اجازت نہیں دیتی۔ جہاں تک اقوام عالم کا تعلق ہے تو ان میں سے کوئی ملک بھی فلسطینیوں کی وطن واپسی کو یقینی بنانے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ 2005ء کے اعداد و شمار کے مطابق چون لاکھ فلسطینی اپنے وطن سے باہر مہاجرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مغربی کنارے سے بے دخل کیے گئے دس لاکھ فلسطینی الگ ہیں۔ کل ملا کر یہ تعداد 64 لاکھ سے زیادہ بنتی ہے۔ مہاجرت کی زندگی گزارنے والی آبادی فلسطین کی آبادی کا 67 فیصد ہے۔ فلسطینی مہاجرت کا یہ تناسب دنیا بھر میں مہاجر بستیوں میں رہنے والی کسی بھی دوسری قوم سے زیادہ ہے۔ فلسطینی مہاجرت بیسویں صدی کا سب سے الم ناک اور تاریخی واقعہ ہے۔

(23) اقوام متحدہ کا مسئلے کو مہاجرین تک محدود کرنا: اقوام متحدہ میں 1949ء اور پھر 1974ء میں فلسطینی مہاجرت کے مسئلے پر رائے شماری ہوئی تھی۔ اقوام متحدہ کے مشترکہ اجلاس نے واضح اکثریت سے اس بات کو تسلیم کیا کہ فلسطینیوں کو اپنے وطن لوٹنے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح فلسطینیوں کے حقوق کی جنگ کو بھی اقوام متحدہ نے جائز قرار دیا ہے جس میں مسلح مزاحمت بھی شامل ہے، اس لیے کہ ایک تو صہیونی ریاست نسل پرستی پر قائم ہے اور جانب دار ہے اور دوسرا یہ کہ ریاست اصل باشندوں کو ان کے وطن لوٹنے کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ امریکہ اور اس کے حلیف اقوام متحدہ کی قرارداد پر عمل درآمد نہیں کرنے دیتے۔ امریکہ اسرائیل کی حمایت میں 'ویٹو' کا حق استعمال کرنے کی بھی دھمکی دیتا رہتا ہے۔

قارئین کرام! اقوام عالم نے جس اصول کو بنیاد مان کر یہودیوں کے لئے وطن کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے اور اس پر عمل کرتے ہوئے فلسطین میں ان کے لیے وطن بھی بنا لیا گیا ہے ہم پوچھنا چاہیں گے کہ کیا وہی اصول (بے گھر) فلسطینیوں پر لاگو کیا جاتا ہے جو طویل عرصے سے نہ صرف بے وطن ہیں؟ بلکہ المیہ یہ ہے کہ انہیں ان کے اصل وطن سے بے دخل کیا گیا ہے۔ اقوام عالم کس طرح اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین سے منافقت کرتی ہیں؟، مسئلہ فلسطین اس کی سب سے بڑی دلیل ہے؛ جبکہ اقوام متحدہ کی ایک سے زیادہ قراردادوں میں تسلیم کیا گیا ہے کہ بے وطن فلسطینیوں کو وطن لوٹنے کا حق حاصل ہے۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل کو تسلیم کر کے کیسا انصاف کیا ہے جس نے اصلی باشندوں کو بے وطن کر کے ان کی 77 فیصد اراضی پر قبضہ کر رکھا ہے۔

(24) استشہادی کارروائیاں: 1967ء تا 1970ء فلسطینی تاریخ میں فدائی حملوں کا سنہری زمانہ رہا ہے۔ اس عرصے میں تحریک مزاحمت کامیابی کی طرف جا رہی تھی لیکن 1971ء میں اردن نے مزاحمت کاروں کو اپنی سرزمین استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد اگرچہ تحریک مزاحمت ختم نہیں ہوئی بلکہ لبنان کی سرزمین اس مزاحمت کیلئے استعمال ہونے لگی لیکن لبنان کی خانہ جنگی جہاں لبنان کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی وہاں تحریک مزاحمت فلسطین کو بھی نقصان ہوا۔ 1975ء تا 1990ء کی لبنان کی خانہ جنگی کے علاوہ فلسطینی خیمہ بستیوں پر اسرائیل کی مسلسل بمباری؛ 1978ء میں لبنان کے جنوبی حصے میں اسرائیل کی فوجوں کا گھسنا اور وہاں مزاحمت کی کارروائیوں کے خلاف بندوبست کرنا، نیز اسرائیلی فوجوں کا لبنانی سرزمین کے اندر تک چلے جانا یہاں تک کہ 1972ء میں بیروت کی سڑکوں پر اسرائیلی فوج کے بوٹوں کی دھمک پڑ رہی تھی اور جب اسرائیل نے بیروت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اپنے مطالبات میں سب سے اہم مطالبہ یہ رکھا کہ لبنان تمام مزاحمت کاروں کو ملک بدر کر دے گا۔ اسرائیل کے شدید دباؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب ریاستوں میں سے کوئی بھی اپنی سرزمین فلسطینی مزاحمت کاروں کو استعمال کرنے کی

جراءت نہیں کرتا تھا۔

(25) غیر مخلص عرب قیادت: فلسطینی مزاحمت کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ خود اس کے بھائی بند عرب رہے ہیں۔ صہیونیوں کے خلاف مزاحمت کس طرح موثر ہوتی جبکہ مزاحمت کی توانائی اپنے گھر میں عرب تنظیموں کے ساتھ پورا اترنے میں کھپ رہی تھی۔ سبھی عرب تنظیموں کی خواہش تھی کہ فلسطینی مزاحمت کا کنٹرول انہیں حاصل ہو۔ وہ فلسطینی مزاحمت کے سپوکس مین کہلائیں اور جب کوئی فیصلہ کن گھڑی آئے تو وہ اصل فریق سے بالا بالا بڑی طاقتوں سے معاملات طے کرآئیں۔

اکتوبر 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ کو اس لحاظ سے کامیاب قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس میں معنوی طور پر مصر اور شام کامیاب ہوئے اور امید تھی کہ فلسطین کی نمائندگی کرنے والے حقیقی کردار سامنے آگئے ہیں جو کہ متحد اور ہم خیال ہیں۔ 1974ء ہی میں یہ تاثر زائل ہونا شروع ہوگیا اور جلد ہی متعلقہ عرب ملکوں نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ شروع کردیا۔ ستمبر 1978ء میں مصر نے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کرلیا۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی وجہ سے عرب صہیونی تنازع میں سے ایک اہم اور مضبوط ترین فریق غیر جانبدار ہوگیا۔

1980ء تا 1988ء عراق ایران جنگ سے بھی تحریک مزاحمت کو نقصان پہنچا۔ اس طویل جنگ سے نہ صرف دونوں ملک تباہ ہوئے بلکہ عرب ملکوں کے سامنے بھی ایک سے زیادہ سیاسی مسائل کھڑے ہوگئے۔ دوسری طرف تحریک مزاحمت فلسطین کی مالی اعانت میں بھی خاطر خواہ کمی ہوگئی۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں معدنی تیل کی قیمت آخری سطح تک گرگئی تھی۔ 1990ء میں عراق کا کویت پر قبضہ بھی تحریک مزاحمت کیلئے نقصان دہ ثابت ہوا کیونکہ اس سے بھی مشرق وسطی کے اندرونی مسائل پیچیدہ ہوگئے۔ پھر سوویٹ یونین کے گرنے سے بھی مغربی بلاک کی بکھری توجہ مخصوص اہداف کی طرف مجتمع ہوگئی۔ ان اسباب کی وجہ سے فلسطینی قیادت بتدریج مسلح کارروائیوں سے دست بردار ہوکر رہ گئی اور ایک ایسے پرامن سیاسی حل پر مجبور پائی گئی جس میں ان کے لیے عمل کا میدان وہی قرار پاتا تھا جہاں ان کے لیے عمل کی کوئی گنجائش چھوڑی جارہی تھی!

خوش قسمتی سے ستر کی دہائی کا نصف آخر فلسطینی نوجوانوں میں اسلامی بیداری اور جذبہ جہاد کے ابتدائی مراحل کا زمانہ ثابت ہوا۔ اسی زمانے میں مختلف جہادی تنظیمیں ظاہر ہوئیں جیسے 'اسرۃ الجہاد' اور 1980ء میں 'حرکت الجہاد الاسلامی'۔ اسی طرح تنظیم 'المجاہدون الفلسطینیون'۔ آخر الذکر تنظیم کی بنیاد اسی کی دہائی کی ابتداء میں شیخ احمد یاسین نے رکھی تھی۔

(26) انتفاضہ کا آغاز: دسمبر 1978ء اور ستمبر 1993ء میں فلسطین کی اپنی سرزمین سے تحریک انتفاضہ نے جنم

لیا۔ پہلی مرتبہ ایک خالص اسلامی تحریک نے مزاحمت کے عمل میں اپنے داخلی وسائل پر انحصار کرتے ہوئے جہاد کا آغاز کیا۔ انتفاضہ مبارکہ کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ تحریک 'حماس' نے بھی انتفاضہ کے ساتھ تحریک مزاحمت میں شمولیت اختیار کر لی۔ انتفاضہ نے جلد ہی عرب ریاستوں کے علاوہ بین الاقوامی طور پر توجہ حاصل کر لی اور مسئلہ فلسطین ایک مرتبہ پھر بین الاقوامی سطح پر نمایاں ہو گیا۔

انتفاضہ کی مقبولیت سے جو سیاسی فوائد حاصل کیے جاسکتے تھے وہ علاقے کے سیاسی حالات، فلسطینی قیادت اور عربی قیادت کی عقلی اٹھان اور دیگر عوامل کی وجہ سے آزادی فلسطین کے پُرزور مطالبے کی بجائے معمولی اور جلد بازی میں قبول کیے گئے سیاسی معاہدوں کی نذر ہو گئے جن میں سب سے زیادہ مضر اسرائیل کے ساتھ عرب ریاستوں کا باضابطہ اور بلاواسطہ مذاکرات میں شریک ہونا ثابت ہوا۔

(27) مذاکرات کا دور: عرب موقف میں کمزوری آنے سے اُن قوتوں کو اس بات کے وسیع مواقع حاصل ہو گئے جو صہیونی قیادت سے پرامن مذاکرات کو وسعت دینے کے ایجنڈے پر زور دیتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ 1988ء میں اقوام متحدہ نے اپنی قرارداد نمبر 181 کے ذریعے فلسطین کی تقسیم کا اعلان کر دیا۔ قرارداد میں فلسطین کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا جس کے ایک حصے پر عرب اور دوسرے پر یہودیوں کا حق تسلیم کیا گیا۔ قرارداد میں مسئلہ فلسطین کے اہم ترین مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسئلے کی نوعیت محض مہاجر فلسطینیوں کی وطن واپسی تک محدود کی گئی۔

1991ء میں پہلی مرتبہ میڈرڈ کے شہر میں عرب ریاستوں نے اسرائیل سے بلاواسطہ پرامن مذاکرات کے سلسلے کا آغاز کیا۔ میڈریڈ مذاکرات کے دو برسوں بعد تک عرب نمائندے اسرائیل سے کوئی بھی قابل ذکر مطالبہ نہ منوا سکے سوائے ان خفیہ مذاکرات کے جو بالآخر اوسلو معاہدے کی بنیاد بنے۔ ستمبر 1993ء میں اوسلو معاہدے پر طرفین نے دستخط کر دیے۔

(28) مذاکرات میں شکست: اوسلو معاہدے میں عرب قیادت نے اسرائیل کو ایک جائز ملک کے تسلیم کر لیا۔ فلسطینی اراضی کے 77 فیصد حصے پر بھی اسرائیل کا حق تسلیم کر لیا گیا اور یہ کہ تحریک انتفاضہ کالعدم تنظیم ہو گی اور اسرائیل کے خلاف مسلح کارروائی غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ اسی طرح عرب قیادت پورے فلسطین کی آزادی کے فلسطینی متفقہ مطالبے سے بھی دست بردار ہو گئی اور یہ کہ اسرائیل کی سلامتی کو نقصان پہنچانے والے کسی عمل کو جائز نہیں سمجھا جائے گا اور یہ کہ ہر قسم کے مسائل کا حل پرامن مذاکرات کے ذریعے تلاش کیا جائے گا۔

عرب قیادت نے اوسلو معاہدے پر دستخط کر کے عملاً تحریک آزادی فلسطین اور دوسرے مطالبات کا گلا گھونٹ

دیا۔ دوسری طرف اسرائیل نے صرف اتنا تسلیم کیا کہ عرب قیادت (الفتح) کو فلسطین کے مسئلے کی قیادت کا حق حاصل ہے اور یہ کہ اسرائیل غزہ اور مغربی کنارے کے بعض حصوں میں فلسطینی قیادت کو محدود سطح پر آزادی دینے کا پابند ہوگا اور یہ کہ دوسرے اہم نوعیت کے مسائل اگلے پانچ برسوں میں طے کیے جائیں گے۔

(29) اوسلو معاہدہ فلسطینی موقف کا ترجمان نہیں: اوسلو معاہدے کے خلاف ردعمل نہ صرف فلسطین میں ہوا بلکہ دوسرے عرب ممالک کی سرکردہ شخصیات اور اسلامی قیادتوں نے بھی درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

(الف)...... عالم اسلام کے وہ اہل علم جن کی حیثیت مسلمہ ہے نے فتویٰ جاری کیا کہ صہیونی قیادت کے ساتھ اس کی شرائط پر مذاکرات کرنا ناجائز ہے۔ پورے فلسطین کی آزادی کے لیے مقدس جہاد ضروری ہے اور یہ کہ مسئلہ فلسطین حق و باطل کا معرکہ ہے جسے نسل در نسل جاری رہنا ہے جب تک اللہ اہل حق کو مکمل نصرت اور کامیابی سے ہمکنار نہیں کر دیتا۔ اور یہ کہ فلسطین کی اراضی پر کسی بشر کا حق نہیں ہے بلکہ یہ سارا خطہ اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے لیے وقف (اوقاف) ہے۔ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ فلسطین کے کسی ایک حصے سے دست بردار ہو۔ اگر اس وقت موجودہ نسل حالت ضعف میں ہے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہمیشہ یہی حالت برقرار رہے گی۔ آنے والی نسل کے حق کو مارنے کا کسی کو اختیار نہیں دیا جا سکتا اور یہ کہ مسئلہ فلسطین تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور عالم اسلام کا کوئی ایک مسلمان بھی اللہ کی سرزمین سے دستبردار ہونے کا وبال نہیں اٹھا سکتا خواہ فتح و کامرانی پر کتنا ہی عرصہ کیوں نہ بیت جائے۔

(ب)...... اوسلو معاہدے پر جس قیادت نے دستخط کیے ہیں وہ اپنے فعل کے آپ ذمہ دار ہیں۔ قیادت نے عوام سے کوئی رائے طلب نہیں کی تھی اور نہ ہی وہ عوامی نمائندے تھے۔ جن دنوں معاہدے کی بات چل رہی تھی انہیں دنوں فلسطین میں اس کی مخالفت ہو رہی تھی خواہ اسلامی تنظیمیں ہوں یا وطن پرست تنظیمیں ہوں یا سیاسی تنظیمیں سب کے ہاں مخالفت پائی جاتی تھی یہاں تک کے خود تنظیم 'الفتح' میں بھی مخالفت پائی جاتی تھی۔

(ج)...... اس معاہدے میں طاقتور فریق نے اپنے مطالبات ایک کمزور فریق سے قوت کے زور پر منوائے ہیں۔ اوسلو پیکٹ میں نہایت ہی اہم اور حساس مسائل کے حل سے صرفِ نظر کیا گیا ہے جن میں اہم ترین یہ ہیں:

(1) القدس (بیت المقدس) کا مستقبل کیا ہوگا؟

(2) مہاجرین کا مستقبل کیا ہوگا۔

(3) مغربی کنارے اور غزہ کے علاقے میں اسرائیلی مقبوضہ جات میں یہودی بستیوں کا مستقبل کیا ہوگا؟

(4) مستقبل میں فلسطینی قیادت کی کیا سیاسی حیثیت ہوگی وہ کس قسم کے تصرفات کرسکتی ہے اور اس کی حدود وقیود کیا ہیں؟

2000ء تک مذکورہ بالا اہم مسائل میں سے کسی کا حل بھی سامنے نہیں آیا۔ دوسری طرف صہیونی ریاست بدستور خطے کو یہودی طرز میں ڈھالتی چلی جارہی ہے۔ اسرائیل اپنے تصرفات میں ان معاہدوں کا بھی احترام نہیں کرتا جو اس نے خود مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر طے کیے ہیں۔

صہیونی قیادت نے مغربی کنارے کا صرف 18 فیصد اور غزہ کا 60 فیصد علاقہ فلسطینی قیادت کے سپرد کیا ہے۔ اس طرح پورے فلسطین کا صرف 72ء4 فیصد علاقہ فلسطینی قیادت کے پاس آیا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ علاقے کا نظم ونسق (امن عامہ) پر دونوں ملکوں کا مشترکہ حق ہوگا۔ جو علاقے فلسطینی قیادت کو دستوری طور پر دیئے گئے ہیں ان میں سے عملاً مغربی کنارے کے 58 فیصد پر اور غزہ کے 40 فیصد علاقے پر صہیونی قبضہ ہے۔

اوسلو معاہدے میں صیہونی ریاست جن علاقوں سے دست بردار ہوکر انہیں فلسطینی اتھارٹی کے سپرد کرنے پر آمادہ ہوئی تو عالمی 'امن' قائم کرنے والوں کے اصرار پر صہیونی قیادت نے اس لیے اتفاق کرلیا تھا کیونکہ اس سے اسرائیل کی فلسطینی کثیر آبادی والے علاقے کی انتظامی ذمہ داریوں سے جان چھوٹتی تھی۔ نیز شہری بندوبست پر جو کثیر سرمایہ لگتا اس سے بھی وہ بچ گیا۔ فلسطینی کثیر آبادی والے محلوں کے قریب صیہونی بستیاں شہریوں کے حملوں سے غیر محفوظ تھیں۔ یوں بھی غزہ میں گنجان فلسطینی آبادی کی وجہ سے اسرائیل یہاں سے نکلنے کا بہانہ چاہتا تھا؛ اوسلو معاہدے سے پہلے اسرائیل غزہ کے مقبوضہ جات مصر کے زیر انتظام دینے پر آمادہ تھا مصر نے خود ہی اس ذمہ داری کو اٹھانے سے انکار کردیا تھا۔ یہ علاقے فلسطینی اتھارٹی کے سپرد کرکے دراصل صیہونی ریاست نے اپنی سلامتی کو ہی محفوظ بنایا تھا نہ کہ یہ عرب قیادت کی کوئی سیاسی کامیابی تھی۔

اوسلو معاہدے میں فلسطینی اتھارٹی کے اختیارات نہایت محدود ہیں۔ نیز صہیونی استعمار کی نگرانی میں ہی ان پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ صہیونی ریاست کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ فلسطینی اتھارٹی کے کسی بھی فیصلے کو یا قانون کو ویٹو کے ذریعے بے اثر کرسکتی ہے۔

اوسلو معاہدے کی رو سے فلسطینی قیادت مستقل فوج نہیں رکھ سکتی مزید برآں صہیونی ریاست کی باضابطہ اجازت کے بغیر اسلحے کا بھی لین دین نہیں کرسکتی۔

فلسطینی اتھارٹی کے فرائض میں یہ شامل ہوگا کہ وہ صہیونی ریاست کے خلاف ہر قسم کی مسلح کارروائی کا سدباب کرے گی! اس بات کو یقینی بنانے کیلئے فلسطینی اتھارٹی نے مزاحمت کاروں میں سے بعض مجاہدین گرفتار کیے تاکہ خطے

میں امن کے عمل کو کامیاب بنانے کے لیے (اوسلو معاہدہ کرنے والی) فلسطینی قیادت اپنی سنجیدگی اور فرض شناسی ثابت کر سکے!

(صیہونی سلامتی والی اس شق کی تکمیل کیلئے) مسلح حملوں کے سد باب کیلئے نو (خفیہ) محکمے تشکیل دیئے گئے۔ان خفیہ محکموں کی شاہانہ تنخواہوں کا بوجھ فلسطینی عوام پر ڈالا گیا جبکہ معاشی ترقی، صحت اور تعلیم کے شعبے اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ ان مدوں میں ٹیکس کی آمدنی صرف کی جاتی، فلسطینی اتھارٹی کے خفیہ اداروں نے اپنی کارکردگی دکھانے کیلئے اختیارات کا بے جا استعمال کیا لیکن فلسطینی حکومت نے اسکا کوئی نوٹس نہ لیا یہاں تک کہ ستمبر 2000ء میں تحریک انتفاضہ کے میدان میں اترنے سے سرکاری اداروں کی سرگرمیاں قدرے اعتدال پر آ گئیں۔

اوسلو معاہدے میں سرحدوں کی حفاظت کا حق اسرائیل کو دیا گیا ہے۔فلسطینی اتھارٹی کو سرحدوں کا جائزہ لینا ہو یا سرحدوں سے باہر نکلنا ہو یا کسی کو فلسطینی سرحدوں میں داخل ہونا ہو تو فلسطینی اتھارٹی اسرائیل سے اس کی باضابطہ درخواست کرے گی۔

(اوسلو معاہدہ فلسطین کے بنیادی اور حساس ترین مطالبات پر بالکل خاموش ہے) معاہدے میں فلسطینیوں کے مستقبل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔نہ ان کے الگ خودمختار وطن کا تذکرہ ہے۔متنازع مغربی کنارے پر کس کا حق ہے اس کا معاہدے میں کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی غزہ کے مقبوضہ جات کے بارے میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ متنازع علاقہ ہے۔

اوسلو معاہدے میں چونکہ اسرائیل کے عرب نمائندوں سے (پہلی مرتبہ) بلاواسطہ مذاکرات ہوئے تھے اس لیے اس معاہدے کے بعد ہر عربی حکومت نے اس میں اپنی سلامتی دیکھی کہ وہ دوسری حکومت سے پہلے اسرائیل سے اپنے تعلقات استوار کر لے۔اسرائیل نے ہر حکومت سے اس کے ضعف کے بقدر مطالبات منوائے؛ اپنی مصنوعات کو فروغ دیا؛ اقتصادی معاہدے کیے اور اسلامی تحریکوں اور قوم پرست تحریکوں کے خلاف مزید قانون سازی کرائی۔

(30) تحریک انتفاضہ کا مبارک ظہور: 29 ستمبر 2000ء میں تحریک انتفاضہ نے ایک مرتبہ پھر اس بات کو ثابت کیا کہ فلسطین پر فلسطینیوں کا حق ہے۔تحریک انتفاضہ بہت جلد نہ صرف فلسطینی عوام کی ہر دل عزیز تحریک بن گئی بلکہ عرب ممالک کے ساتھ ساتھ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی انتفاضہ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

تحریک انتفاضہ کے سرگرم عمل ہونے سے فلسطینی فراموش شدہ مسئلہ دوبارہ زندہ ہو گیا۔انتفاضہ نے اصل صہیونی عزائم سے پردہ ہٹایا اور صہیونی ریاست کی طرف سے امن کی اپیل کا پول کھولا۔تحریک انتفاضہ نے اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدوں میں جس دجل اور فریب سے کام لیا گیا تھا اسے نمایاں کیا اور ثابت کیا کہ ان معاہدوں

میں فلسطینیوں کے جائز حقوق سلب کیے گئے ہیں۔

تحریک انتفاضہ کے سرگرم ہوتے ہی فلسطینی عوام پر اسرائیلی غنڈہ گردی کا سیلاب آ گیا۔ فلسطینی نوجوانوں سے جیلیں بھر گئیں اور حق دفاع کو بنیاد بنا کر اسرائیل نے فلسطین کی بیشتر اراضی پر قبضہ کر لیا۔ صرف پانچ ہی برسوں میں فلسطینی شہداء کی تعداد 4160 تک پہنچ گئی جبکہ 45 ہزار فلسطینی اسرائیلی بمباری سے زخمی ہوئے۔ برسرِ روزگار فلسطینیوں میں سے 58 فیصد بے روزگار کر دیئے گئے۔ اسرائیل کے اس شدید ظلم کے باوجود تحریک انتفاضہ جہاد اور شجاعت اور شہادتوں سے تحریک کو لازوال کرتی چلی جا رہی ہے۔

تحریک انتفاضہ کو فلسطین کی سبھی تنظیموں کی حمایت حاصل ہے۔ فلسطین کی طویل مزاحمت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انتفاضہ کی شکل میں صہیونی ریاست کو ایک متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انتفاضہ کی جہادی اور استشہادی کارروائیوں سے 1060 صہیونی ہلاک ہوئے ہیں۔ 6250 سے زیادہ صہیونی زخمی ہوئے ہیں۔

صہیونی ریاست پر امن معاہدوں سے ہی فلسطینی اراضی اور ان کے حقوق کی مالک بنتی جا رہی تھی۔ انتفاضہ نے جہاد کا باب کھول کر مذاکرات کے ذریعے فلسطینیوں کی فروخت کا سلسلہ کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ صہیونی ریاست عربوں کے ساتھ بلاواسطہ مذاکرات کے بعد تجارتی لین دین کے منصوبے بنا رہی تھی۔ انتفاضہ کے جہاد سے اب اسے پہلے اپنی حفاظت کرنا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی معاشی ترقی کا خواب ادھورا رہ گیا ہے۔ اقتصادی طور پر اسرائیل کا سخت نقصان ہو رہا ہے۔ سیاحت سے جو زر کثیر حاصل ہوتا تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔ انتفاضہ کے بعد بہت سے یہودیوں نے خوف کے مارے اسرائیل سے نقل مکانی کی ہے۔ اسرائیل کی سیادت دو ستونوں پر قائم تھی: اسرائیل (معاہدوں کے ذریعے فلسطینی حملہ آوروں سے) محفوظ ہو؛ اور دوسرا اسرائیل اپنی مصنوعات کو ترقی دے کر اقتصادی اجارہ داری قائم کرے۔ الحمدللہ تحریک انتفاضہ نے اسرائیلی سیادت کے دونوں ستون ہلا کر رکھ دیئے ہیں۔ انتفاضہ کی قوت سے اسرائیل مجبور ہو گیا کہ وہ غزہ کے مقبوضہ جات سے نکل جائے۔ یہاں یہودی آبادکاری کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے۔

(31) فلسطین کے نصاریٰ کا موقف: فلسطین میں عیسائی آبادی بھی پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی طرح وہ بھی صہیونی ظلم کا شکار ہیں۔ برطانیہ کے انتداب سے لے کر اب تک وہ آزادی وطن کی تحریک میں مسلمان فلسطینیوں کے ساتھ شانہ بشانہ شریک رہے ہیں۔ فلسطین کے عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ مثالی اتحاد ہے۔ وہ فلسطین میں رائج تہذیب وثقافت اور زبان (عربی) کا اسی طرح دفاع کر رہے ہیں جیسے عام فلسطینی مسلمان کرتا ہے؛ تقریر سے تحریر سے اور تلوار سے۔

(32) تحریک مزاحمت کے متفقہ اصول: اپنے خطے سے محبت اور اس کا دفاع کرنا؛ اپنے مقدسات کا احترام اور

دفاع کرنا دین اسلام کے واجبات میں سے ایک اہم واجب ہے۔ اسلام کے علاوہ انسانیت بھی ان اصولوں کو تسلیم کرتی ہے۔ اپنے ہم وطن لوگوں سے ناتے داری ہونا ان سے محبت کرنا اور ان کے لیے اچھے جذبات رکھنا ایک فطری جذبہ ہے سوائے اس کے کہ اس سے کوئی ایسی چیز حلال نہ ہو جائے جو اللہ نے حرام ٹھہرائی ہے۔ اس دائرے میں رہتے ہوئے وطن اور اہل وطن سے محبت ایک فطری اور جائز جذبہ ہے۔ بنا بریں اس فطری جذبے کی وجہ سے مسئلہ فلسطین کے بنیادی عناصر خواہ وطن کی محبت نے انہیں ابھارا ہو یا عربی جذبے نے مہمیز دی ہو یا اسلامی جذبہ کارفرما ہو سب ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے ہونے چاہئیں نہ کہ ایک دوسرے کے برخلاف۔

اسلامی معاشرے سے ضعف کے اسباب دور کرنا ہوں یا اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنا ہو یا تمدن یا ثقافتی ترقی حاصل کرنا ہو یا عرب مسلمانوں کے اتحاد کی تحریک ہو یا فلسطین کی آزادی کا مسئلہ ہو؛ ان میں سے کوئی عمل ایسا نہیں جو دوسرے عمل کے مخالف ہو بلکہ یہ سب ہی ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں اور یہ بالکل ممکن ہے کہ سب عناصر ایک ساتھ عمل کی تکمیل کا حصہ بنیں۔

(33) امن قائم کرنا اسلام کی غایت ہے: دین اسلام سلامتی والا دین ہے۔ اللہ خود السلام ہے۔ مسلمان ملاقات کرتے ہوئے 'سلام' کہتے ہیں۔ جنت کا ایک نام دار السلام ہے۔ اسلام میں دوسری قوموں سے تعلقات کے لئے جو تعلیمات ہیں ان کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ پرامن بقائے باہمی کا اصول بھی اسلام میں موجود ہے۔ دوسرے مذاہب سے معاملات کرتے ہوئے اسلام نے اس اصول کی ترغیب دی ہے کہ 'احسن طریقے' سے معاملے حل کیے جائیں۔

اسلام کا متضاد دہشت گردی ہے یا جن نفوس کی اسلام میں حرمت ہے انہیں قتل کرنا بھی لفظ اسلام کا متضاد ہے۔ علاوہ ازیں اسلام دین حق بھی ہے اور سراسر عدل پر مبنی دین بھی (جس میں خدا کی بندگی کا عہد کرلینے کے بعد) انسان تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ دین دین حریت بھی ہے۔ بنا بریں اس دین حریت کے پیروکار اپنے اوپر ظلم برداشت نہیں کرتے اور چونکہ یہ دین دین عدل بھی ہے اس لیے اسلام کے پیروکار کسی پر ظلم بھی نہیں کرتے ہیں۔ اس دین میں ذلت کی زندگی رسوائی اور ناموشی ہے۔ اپنے دین؛ عزت وناموس؛ مقدسات اور اراضی پر وہ اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ چیز بخوشی قربان کردیتے ہیں۔

فلسطین میں اس وقت تک سلامتی نہیں آسکتی جب تک اہل فلسطین پر ظالمانہ معاہدے ٹھونسے جاتے رہیں گے۔ ان کے حقوق سلب ہوتے رہیں اور اس کے اصل باشندے مہاجرت کی زندگی گزاریں ایسے ظالمانہ معاہدوں کو برابری پر قائم معاہدوں کا نعم البدل کہہ کر وقتی سیاسی مقاصد تو حاصل کیے جاسکتے ہیں اس لیے کہ وہاں کے شہریوں کو

کمزور اور ضعیف سمجھ لیا گیا ہے لیکن ایسے معاہدوں سے فلسطین میں مستقل امن کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ آزادی فلسطین کا جہاد فرض ہی رہے گا اور اس کے شہریوں کے لیے ایک اعزاز اور آبرومندی کی علامت، صہیونی اور مغربی اصلاحات سے اس مزاحمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا خواہ کوئی مغربی میڈیا کی ہاں میں ہاں ملا کر جہادِ فلسطین کو دہشت گردی ہی کیوں نہ کہے اور اگر فلسطینی اپنے حقوق سے دست بردار ہوکر مزاحمت چھوڑ دیں تو اسے امن کہے۔ یہ میڈیا تو حقوق کی جنگ کو دہشت گردی اور مظلوم کے ترک مزاحمت کو امن کہتا ہے۔

(34) اسلام میں جہاد کے اصول: مسلمان یہودیوں کے خلاف جہاد اس لیے نہیں کرتے کہ کوئی شخص یہودی ہے۔ اسلام میں اہل کتاب اور اہل ذمہ کے ساتھ سیاسی تعلقات کی تعلیمات موجود ہیں۔ اسلام اہل کتاب اور اہل ذمہ سے عدل واحسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انہیں عبادات اور رسومات ادا کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔ (اور عہد کرنے کے بعد) انہیں ویسے ہی حقوق حاصل ہوجاتے ہیں جیسے مسلم شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

جہاں تک 'مسئلہ یہود' اور 'سامی نفرت' کا تعلق ہے تو اسلام اپنی طویل تاریخ میں ایسی اصطلاحات سے ناواقف رہا ہے۔ کسی خاص نسل سے نفرت اور کسی قوم کا قتل عام یورپ کی سوغات ہے۔ یہودی اسلامی عملداری والے علاقوں میں صدیوں رہے ہیں لیکن وہاں انہیں ایسی کوئی 'مشکلات' پیش نہیں آئیں جو انہیں یورپ میں رہتے ہوئے پیش آئی ہیں۔ بنابریں اسلامی تعلیمات میں یہ کوئی اصول نہیں کہ کسی یہودی کو صرف یہودی ہونے کی وجہ سے برداشت نہ کیا جائے۔ مسلمانوں کا جہاد صہیونیوں کے خلاف ہے جو ایک متعصب نسل پرست تشدد پسند تحریک ہے اور جس نے مسلم خطوں پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ جنہوں نے وہاں کے اصل باشندوں کو مہاجرت پر مجبور کیا۔ انہیں بے وطن کیا۔ مسلمانوں کے مقدسات کی اہانت کی۔

جان لیجیے کہ مسلمان ہر اس قوم کے خلاف علم جہاد بلند کرتے رہیں گے جو ان کی اراضی پر قابض ہوتا ہے خواہ اس کا کوئی مذہب ہو یا کوئی نسل۔

(35) امت صرف اسلام کے اصول اور مبادیات پر متفق ہوسکتی ہے: فلسطین کی آزادی اور صہیونیوں کی قوت منتشر کرنے کے لیے ہمیں اسلام کے اصولوں پر چلنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے سچے بندوں کی نصرت کا خود ذمہ اٹھالیا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں پوری امت مسلمہ کا عقیدہ بھی اسلام ہے جو اس تحریک میں فلسطین کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ اور اس لیے بھی کہ اسلام سراسر بھلائی اور فلاح کا دین ہے۔ اسلام میں یہ کشش ہے کہ وہ مسلمانوں کو متحد کرتا ہے اور ان کی طاقت کو یکجا کرسکتا ہے۔ فلسطین کی تاریخ بھی اس بات پر گواہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اسے پہلے بھی آزادی نصیب ہوئی ہے جیسے تاتاریوں کا قبضہ اور پھر فرانس کے قبضے سے آزادی پانے کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ جہاں

تک اسلام کے علاوہ دوسرے نظریات کو بنیاد بنانے کا سوال ہے (جیسے وطن پرست تحریکیں یا قوم پرست تحریکیں یا عرب نیشنل ازم یا اشترا کی تحریکیں) تو ماضی قریب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے نظریات ناکام ہی ہوئے ہیں۔

(36) مسئلہ فلسطین کا اسلامی حل: اسلامی نقطہ نظر سے فلسطین کی آزادی کی تحریک کے نکات درج ذیل ہو سکتے ہیں۔

(الف)......اسلام ہی کو اپنا عقیدہ اور منہج حیات بنایا جائے۔اپنی زندگی کو اسلامی اخلاقیات اور اسلامی قدروں کے مطابق ڈھالا جائے۔اپنے باہمی معاملات اللہ کی شریعت کے مطابق طے کیے جائیں۔

(ب)......تحریک آزادی فلسطین کی قیادت اسلامی شخصیت ہو جو معاملات سے نبرد آزما ہونے کی پوری صلاحیت رکھتی ہو جو پختہ ارادے اور نیت صادقہ کے ساتھ صہیونی عزائم کا توڑ کرنا جانتی ہو۔

(ج)......صہیونیت کے خلاف تحریک کا دائرہ صرف فلسطین تک محدود نہ رہنے دیا جائے بلکہ پورے عالم اسلام میں صہیونی عزائم کو نمایاں کرنے کے بعد امت کو اپنی پشت پر لایا جائے۔اسے صرف فلسطینی مسئلہ یا عرب اسرائیل مسئلہ تک محدود نہ رکھا جائے کیونکہ ارض فلسطین کی آزادی تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے اس لیے کہ صہیونی منصوبے صرف فلسطین کی سرزمین تک محدود نہیں ہیں بلکہ پوری دنیا میں صہیونی اپنے منصوبے بنا رہے ہیں لہٰذا یہ مسئلہ علاقائی نہیں بین الاقوامی ہے۔ایک بین الاقوامی عدو سے بین الاقوامی سطح پر ہی نبٹا جا سکتا ہے۔

(د)......تحریک آزادی فلسطین کی ہر سطح پر مدد کرنا کیونکہ فلسطین ارض رباط ہے (مسلم علاقوں کا وہ مقام جہاں سے عدو در اندازی کر سکے اور جہاں کے باشندوں کو ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہو۔ایسے مقام سے اگر ایک دفعہ دشمن اسلامی قلمرو میں گھس آئے تو پھر اس کا دوسرے علاقوں میں گھسنا آسان ہو جاتا ہے۔ارض رباط میں رہنے والے مسلمانوں کو اسلام میں خصوصی مراعات دی جاتی ہیں)

(ھ)......تمام مسلم خطوں میں سیاسی٬ اقتصادی اور ٹیکنالوجی کے لحاظ سے اعلیٰ صلاحیتیں اور استعداد کار پیدا کرنا۔ مسلم امہ کو ایک طویل جنگ کے لیے اپنے ہی پیدا کردہ وسائل پر انحصار کرنا ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے مسلم ہستی کو زمین کی نیابت سونپی ہے۔موجودہ دور میں یہ ایک نہایت کٹھن کام ہے۔اس ذمہ داری کو اٹھانے کیلئے مسلم امہ کو اپنے اندر بہت ساری لیاقتیں اور صلاحیتیں پیدا کرنا ہیں۔صرف فلسطین کی آزادی کا ایک مسئلہ امت کو درپیش نہیں ہے بلکہ ہمارے بہت سے مقبوضہ جات آزاد ہونا ہیں۔

(37) مسئلہ فلسطین انسانی المیہ: مسئلہ فلسطین صرف سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ یہ انسانوں کو پیش آنے والے بہت سے

مسائل سے عبارت ہے۔صبح وشام حقوق انسانی کا واویلا کرنے والوں کے سامنے لاکھوں مظلوموں کی آہ وبکا ان کی جانبداری کے نفاق کا پردہ چاک کررہی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کا ننگ چھپائے نہیں چھپ رہا۔ ترقی یافتہ ممالک کے سامنے جہاں حیوان و بہائم کے حقوق کی بات ہوتی ہے وہاں پچھلی نصف صدی سے ساٹھ لاکھ سے زائد انسانوں کا سوال ہے جن سے ان کا وطن بزورقوت چھین لیا گیا ہے۔جن کی خیمہ بستیوں میں بھوک ہی بھوک' افلاس' امراض اور ناخواندگی ہے۔وہ بے گھر انسان جن کی جھونپڑیوں کو جلا کر ان پر یہودیوں نے بلند و بالا عمارتیں کھڑی کر لی ہیں؛ ایک ایسے دعوے کو بنیاد بنا کر جو سراسر جھوٹ ہے۔ایک ایسا دعویٰ جس کی نہ تاریخی حقیقت ہے نہ کوئی دینی (توراتی) شہادت ہے اور نہ ہی بین الاقوامی قوانین میں اس کی گنجائش ہے۔

فلسطین میں صہیونی ریاست مغربی استعمار کی باقی ماندہ بدنما شکل کی صورت میں قائم ہے۔مسلم آبادی والے دوسروں خطوں سے تو استعمار کو نکلنا پڑا، اب اسے ارض رباط سے بھی نکلنا ہے؛ آج یا کل۔ چاہیئے کہ اس انسانی المیے کو حل کرنے کیلئے پوری انسانیت کھڑی ہوجائے۔

(38) عمرانی صداقتیں: دنیا میں صہیونی قوت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی امور ہوں یا سیاسی ہیر پھیر ہوں یا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ہو ہر جگہ پس پردہ صہیونی منصوبہ کارفرما ہے۔امریکہ میں صہیونی اثر ونفوذ سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ہم کسی 'سامی نفرت' کی وجہ سے یہ بات نہیں کررہے ہیں اور نہ ہی ہمیں کسی خاص نسل سے بیر ہے۔اگر کوئی قوم ترقی پا کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیتی ہے تو یہ قابل ستائش کام ہے نہ کہ قابل مذمت شرط یہ ہے کہ وہ انسانی فلاح کے لیے استعمال ہو۔قوت حاصل ہونے پر ظلم اور فساد پھیلانا' دوسروں کے حقوق سلب کرنا قابل تحسین نہیں کہلا سکتا۔

بلاشبہ صہیونی آج قوت میں ہیں لیکن یہ تفوق ناقابل تسخیر نہیں ہے۔یہ خیال غلط ہوگا کہ دنیا کے ہر چھوٹے بڑے واقعے کے پیچھے صہیونی ہوں گے۔صہیونی قوت خدا کی قوت پر غالب نہیں ہے اور نہ ہی وہ بشریت کی سرحدوں سے آگے نہیں نکل گئے ہیں۔خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہیں اپنے تئیں پیدا نہیں ہوئے۔قوموں کے عروج وزوال کی کچھ خدائی سنتیں ہیں۔جیسے دوسری قوموں پر زوال کے دن آتے ہیں اسی طرح صہیونی بھی ہمیشہ طاقت ور نہیں رہیں گے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ترقی کی منازل بغیر محنت ومشقت اور اعلیٰ تنظیم کے حاصل نہیں ہوا کرتیں لیکن ہمیں ان اسباب کو بھی سامنے رکھنا ہے جو زوال لایا کرتے ہیں۔دنیا کی طویل تاریخ میں پہلے بھی اس قوم کو ترقی حاصل ہوئی تھی لیکن ان پر زوال کوئی ایک مرتبہ نہیں آیا۔صہیونی آج قوت میں ہیں تو اس میں امت مسلمہ کے لیے نصیحت ہے۔

ایک زمانے میں یہودی دنیا کی حقیر ترین قوموں میں شمار ہوتے تھے۔مسلمان بھی اپنے اندر وہ صلاحیتیں پیدا کر سکتے ہیں جو دنیا کی نیابت کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں۔

(39) تیسری عالمی جنگ کا خطرہ: اسرائیل کی ہوشربا فوجی قوت اقوام عالم کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے۔اسرائیل کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار ہیں جن میں 200 ایٹم بم بھی شامل ہیں۔ اسرائیل کی تیز رفتار فوج کی استعداد خطرناک حد تک زیادہ ہے۔اسرائیل محض بہتر گھنٹوں میں سات لاکھ فوج ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل کر سکتا ہے۔عالم اسلام کے قلب میں ایسی خطرناک فوج بین الاقوامی امن کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے جہاں کسی وقت بھی ایک خطرناک جنگ بھڑک سکتی ہے جو تیسری عالمی جنگ کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔

آج نہیں تو کل مسلمان ایک بڑی قوت بننے والے ہیں۔ یہ بات بعید نہیں کہ اسرائیل کی وجہ سے مسلمان بھی وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار حاصل کر لیں۔مسلمان اپنی ایک انچ زمین سے بھی دست بردار ہونے کے نہیں۔حالت ضعف میں کبھی مسلمان نچلے نہیں بیٹھے اب جبکہ وہ دن دور نہیں جب مسلمان ایک بڑی قوت ہوں گے۔اگر اسرائیل کے وجود کو عالم اسلام کے قلب سے ختم نہیں کیا جاتا تو مسلمان اپنی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے عدو کو نکال کر دم لیں گے۔اس سے پہلے استعمار کو بھی عالم اسلام سے نکلنا پڑا تھا۔استعماری طاقتیں بھی بڑی قوت ہوا کرتی تھیں۔

ایک خطرناک بین الاقوامی جنگ سے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ عالمی طاقتیں اپنا اثر و نفوذ استعمال کرتے ہوئے صیہونی ریاست کو مسلم اراضی سے بے دخل کر دیں۔

(40) صیہونی ریاست کا زوال: فلسطین میں صیہونی منصوبوں کا ناکام ہو جانا نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایک واقعاتی حقیقت ہے۔صہیونی ریاست کا زوال ایک ربانی فیصلہ بھی ہے۔قرآن مجید میں جس میں باطل کی آمیزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ صیہونی زوال کی بشارت دیتا ہے۔اس کا آخری رسول جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ بھی صہیونیوں کے زوال کی بشارت دے کر گیا ہے۔پھر اس دھرتی پر خدا کی ربانی سنتیں اثر انداز ہوتی ہیں۔انسانی تاریخ بھی ہمیں بتاتی ہیں کہ ظلم پر کوئی ریاست زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی۔خدا کے نافرمانوں پر آفتیں آیا کرتی ہیں۔اور خدا کسی کا حق مارنے والا نہیں ہے۔

☆......☆......☆

مقالات ومضامین

طوفان الأقصی کی امت مسلمہ کو پکار

مولانا حذیفہ وستانوی

غزۃ العزہ سے اٹھنے والا طوفان الأقصی اپنے ہدف کی جانب رواں دواں ہے اس لیے کہ اس طوفان نے یہود بے بہبود کو اس کے کسی بھی ہدف کے حصول میں کامیابی سے دور رکھا ہے نہ وہ اپنے قیدیوں کو چھوڑانے میں کامیاب ہوسکا ہے نہ غزہ پر قبضہ کرنے میں اور نہ ہی حماس اور دیگر جہادی تحریکا سرایا القدس وغیرہ کو ختم کرنا تو دور کی بات کمزور بھی نہیں کر سکا اور ان شاءاللہ کر بھی نہیں سکے گا کیونکہ ہمارے مجاہدین الحمدللہ ان تمام شرائط کو پورا کر کے میدان کارزار میں اترے ہیں جس کے بارے قرآن نے اعلان کیا ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْن کہ مومنوں کی مدد و نصرت ہم پر واجب ہے۔

اللہ جزائے خیر عطاء فرمائے شیخ احمد یاسین کو جنہوں نے اپنی جسمانی کمزوری بلکہ معذوری کے باوجود اہل فلسطین میں ایمانی شرارے کو شعلہ زن کرنے کی بھرپور تحریک چلائی، وہ سمجھتے تھے کہ دشمن بڑا ظالم اور ظاہری طور پر طاقتور ہے اور دنیا کی تمام بڑی طاقتیں اس کے ساتھ ہیں، لہٰذا لن يصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به اوله کہ اس امت کے آخری دور کا مسلمان اسی وقت کامیاب اور صلاح یافتہ ہوگا جب وہ اسی طریقے کو اختیار کرے گا جو اس کے طبقۂ اُولیٰ یعنی صحابہ اور تابعین نے اختیار کیا۔

ایمان میں پختگی اور اس کا حصول ممکن ہوتا ہے کتاب وسنت کے ساتھ وابستگی سے، لہٰذا قرآن کریم کو پہلے کما حقہ پڑھا جائے، احادیث مبارکہ کی روشنی میں اسے سمجھا جائے اس کے بعد دشمن سے مقابلہ آرائی کی تیاری کی جائے ظلم کے خاتمے کے لیے اقدامات اٹھائے جائے، جب قرآن وحدیث کی برکت سے ایمانی پختگی ایک بار آجائے تو اسباب حرب کی قلت کے باوجود کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

الحمدللہ اسی نسخہ کو غزۃ العزہ کی جہادی تحریکوں نے اختیار کیا اللہ انہیں مزید ثابت قدمی کی نعمت سے مالامال فرمائے۔ غزوہ بدر اور غزوہ حنین سے یہ ہی سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز ان کی فوجی طاقت یا کثرت میں پنہاں نہیں ہے بلکہ ایمان کی مضبوطی اور مسبب الأسباب پر اعتماد بھروسہ اور یقین میں مضمر ہے۔

اگر اہل اسلام کو غزوہ بدر کی روح سمجھ آجائے تو اللہ رب العزت کی مدد ونصرت آج بھی اتر سکتی ہے...... بقول اقبال ؎

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ رب العزت اخلاصِ نیت سے جہاد کرنے والوں کو کبھی بھی محروم و مایوس نہیں کرتا وہ ہمیشہ انہیں فتح و کامرانی سے نوازتا ہے۔اگر آج بھی عالم اسلام کے فرزندان اہل بدر جیسا اخلاص پیدا کرلیں اور محنت سے آگے بڑھیں تو اللہ رب العزت ان کی مدد ونصرت کے لیے آج فرشتے نازل فرمائے گا اور انہیں پوری دنیا میں ایک دفعہ پھر عروج وترقی حاصل ہوگی۔دراصل کامیابی کی شاہ کلید اللہ سے والہانہ عشق ہے علامہ اقبال بدر وحنین کی روشنی میں اسے یوں بیان کرتے ہیں ؂

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ ء تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنیء دیر یاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!

اُحد اور حنین میں یہ ہوا تھا کہ خدا طلبی و خدا مستی جس درجہ کی مطلوب تھی، اس میں کچھ کمی ہوگئی تھی، جس کے نتیجہ میں خدا کی طرف سے مدد روک لی گئی تھی اور مسلمانوں کو جان و مال کا کچھ نقصان برداشت کرنا پڑا تھا، اب اس نقصان کے نتیجہ میں کیا آپ کو معلوم ہے کہ صحابہ نے کیا عمل کیا تھا، انہوں نے فوراً اپنا احتساب کیا، خدا طلبی و خدا مستی کی مطلوبہ سطح میں جو کمی سی آگئی تھی، اس کا ازالہ کیا اور اس پر استغفار کیا جس پر جلد یا بدیر ان کے جانی و مالی نقصان کی تلافی بھی کر دی گئی۔اب یہاں اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہیکہ بظاہر ان صورتوں میں مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑا، مگر اس سے ایک بڑی ''خیر'' یہ برآمد ہوئی کہ اطاعت واخلاص میں کمی کی وجہ سے ان کا آخرت کا جو نقصان ہونا تھا، اس سے وہ بچ گئے اور اس کی جگہ استغفار وندامت کی دولت عطا ہوگئی۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان پر جو ابتلاء آتا ہے، اس میں عتاب اور تنبیہ کے ساتھ ساتھ بیک وقت ''رحمت'' کا ایک زبردست پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مفہوم ہے کہ خدا جب کسی کے ساتھ رحمت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا اس دنیا میں ہی اسے دے دیتا ہے، پس دنیاوی اعتبار سے مسلمانوں پر جو آزمائش آجاتی ہے وہ اسی معنی میں رحمت ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ گذشتہ

گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے اور آئندہ اصلاحِ احوال کے لیے تنبیہ بھی۔سواحد وحنین میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ بظاہر نقصان تھا، مگر اس میں رحمت کا یہی زبردست پہلو چھپا ہوتا۔موجودہ دور میں مسلمانوں کا کثرتِ تعداد کے باوجود مغلوبیت میں ہونا ان کی ایمانی ودینی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب ہم اہلِ کفر سے بھی زیادہ برے ہوگئے ہیں۔اہلِ کفر نے موت کے بعد جس انجام سے دوچار ہونا ہے، اس کے ہوتے ہوئے یہ دنیا میں بظاہر اوپر ہوں یا نیچے، ان کو کوئی فائدہ نہیں، جبکہ ہماری مثال اس معاملہ میں وہ ہے جس کی طرف ایک عالم نے ہلاکو کی بیٹی کے ساتھ مکالمہ کے دوران اشارہ فرمایا تھا۔یہ معاملہ فی الواقع اگر تاریخی اعتبار سے ثابت نہ بھی ہو تو بہر حال اس سے اس معاملہ کی تفہیم ذرا آسان ہوجاتی ہے۔ہلاکو کی دختر نے سقوطِ بغداد کے بعد ایک مسلمان عالم سے پوچھا کہ اللہ نے ہمیں تمہارے اوپر غالب کر دیا ہے تو ہم تم سے بہتر ہوئے ناں؟......

عالم: نہیں......!

دختر ہلاکو: کیوں......؟

عالم: جس طرح چرواہے کی بھیڑیں اس کی اطاعت چھوڑ کر اس سے دور چلی جاتی ہیں تو وہ ان کے پیچھے کتے لگا دیتا ہے جو انہیں گھیر کر واپس لاتے ہیں۔اسی طرح ہم جب اللہ کا کہنا ماننا شروع کر دیں گے تو تمہاری ضرورت ہمیں نہیں رہ جائے گی......اللہ اکبر!۔

خلاصہ یہ کہ ہماری نظر آخرت پر ہونی چاہیے اور اپنی فکر کو آخرت والی فکر بنانے کے لیے اکسیر نسخہ قرآن وسنت سے وابستگی لہذا پوری امت مسلمہ قرآن سے وابستہ ہوجائے جہاد کے لیے تیار رہے اور اپنی بساط کے مطابق تیاری کرے دیر سویر ہی سہی کامیابی یقینی ہے اس دوران صبر واستقامت سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

اکیسویں صدی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم نے اپنی نسل کو موبائل اور انٹرنیٹ کے حوالے کر دیا ہے جس نے ہر قسم کے ترقی کے اسباب کے باوجود اسے سب سے کمزور نسل بنا دیا ہے کیونکہ وہ ٹیکنالوجی کے سہارے ہر چیز کو تیزی کے ساتھ کرنے کی عادی ہوگئی سہولت پسند ہوگئی جس سے صبر کا مادہ ختم ہوگیا اور معمولی معمولی بات یا تاخیر پر غصہ کرنے کی عادت بن گئی اور انسان بے صبری اور غصہ کے ساتھ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

تو آئے ہم اپنی موجودہ نسل کی ترتیب کا عزم کرتے ہیں اسے موبائل سے دور کر کے قرآن سے جوڑتے ہیں جفاکشی کا عادی بناتے ہیں جہاد کے لیے تیار کرتے ہیں اہل غزہ نے یہی اہم سبق ہمیں دیے ہیں۔

قرآنی شہر غزۃ العزہ سے یہ آواز گونج رہی ہے اے مسلمانوں آؤ قرآن کے سایہ عاطفت میں پھر دیکھو وہ کیا کرشمہ دکھاتا ہے۔☆

فضلائے قدیم جدید فارغین کی رہنمائی کریں

مولانا ناصرالدین مظاہری

ایک دفعہ میں نے پہلے پہل آملیٹ بنانے کی ٹھانی، دماغ میں یہ تھا کہ آملیٹ بنانا تو بہت آسان ہے، یہی سوچ میری غلطی تھی، میں نے آملیٹ بنایا لیکن جب آملیٹ کو پلیٹ میں نکالنا چاہا تو نکلنے کے لیے تیار نہیں، یقین مانیں چمچہ سے کھرچ کھرچ کر پلیٹ میں نکالا اور جیسے ہی ایک لقمہ کھایا تو غلطی کا احساس ہوا کہ کچھ کمی رہ گئی ہے، کمی کا سراغ لگایا تو مجھے بتایا گیا کہ تم نے تیل ہی نہیں ڈالا ہے جو آملیٹ کا اہم اور بنیادی جزء ہے۔

میں نے اپنے والد ماجد کو بارہا دیکھا کہ وہ گائے کے دونوعمر بچوں کی گردن پر جوا رکھتے اور خواہ مخواہ انھیں کھیت میں ہانکتے، میں نے پوچھا کہ اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا کہ بغیر تربیت اور ٹریننگ کے یہ کسی بھی کام کے نہیں ہیں، کتنے ہی بڑے ہوجائیں، کوئی خریدے گا بھی نہیں جب تک خریدار کو یقین نہ ہوجائے کہ ہاں یہ صحیح طور پر کام کرلیتے ہیں۔

یہی حال ہمارے مدارس دینیہ کے فارغین کا ہے، مدارس سے بڑی تعداد میں طلبہ سند فراغت حاصل کر کے کرہ ارض پر بکھر جاتے ہیں، ان کی حالت بالکل نئی شادی شدہ کنواری دلہن جیسی ہوتی ہے، انھوں نے صرف، نحو، فقہ، اصول، حدیث، اصول حدیث، منطق، فلسفہ، فصاحت، بلاغت، معانی، مضامین، ہیئت، لغت، ادب، تاریخ، تفسیر، اصول تفسیر، مناظرہ، سیرت، سلوک، عقائد، اخلاق وغیرہ سب کچھ پڑھا ہے اور اپنے اساتذہ کو پڑھاتے دیکھا بھی ہے لیکن عملی دنیا بالکل الگ ہوتی ہے، یہاں آپ کو حقیقت میں جو تجربات حاصل ہوتے ہیں وہ زمانہ طالب علمی کے دوران بالکل نہیں ہوسکتے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان صحیح معنیٰ میں پڑھتا ہی تب ہے جب وہ پڑھانا شروع کرتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو طلبہ تعلیم کے دوران تکرار و مذاکرہ کراتے ہیں ان کو مدراس والے بہت جلد تدریس کے لئے قبول کرلیتے ہیں کیونکہ انھیں پڑھنے کے ساتھ پڑھانے کا بھی تجربہ ہوچکا ہے بھلے ہی تکرار کے ذریعہ ہوا ہو۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض طلبہ کا انداز تکرار اور طرز تفہیم اپنے استاذ سے بھی اچھا ہوجاتا ہے۔

ہمارے یہ فاضلین کرام صرف مدارس میں پڑھتے ہیں انھیں پڑھانے کا موقع نہیں ملتا ہے اس لئے ان کے اندر

خوداعتمادی نہیں پیدا ہو پاتی ہے، جو ہمت اور جرأت ان کے اندر ہونی چاہئے وہ بھی نہیں ہوتی ہے۔

اگر مدارس میں کم از کم تکرار و مذاکرہ کا کوئی ایسا نظام بن جائے کہ وقتاً فوقتاً سب کو تکرار کرانی ضروری ہو جائے تو بھی خوداعتمادی پیدا ہوسکتی ہے۔

بعض طلبہ خود ہی دلچسپی نہیں لیتے نہ تکرار میں، نہ تقریر میں، نہ تحریر میں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ کھیپ عوام کے درمیان جانے میں ہچکچاتی ہے، منبر سے دور بھاگتی ہے، اسٹیج سے کتراتی ہے، مسند درس سے گھبراتی ہے، کل ملا کر یہ کھیپ زمین کا بوجھ بن جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ کھیپ کہیں کھپ نہیں سکتی، ہوتا یہ ہے کہ ہماری توجہ اور ہمارا دھیان دسترخوان کی معیاری چیزوں پر مرکوز ہوتا ہے تو کم تر چیزیں جوں کی توں رہ جاتی ہیں۔

اساتذہ صرف پڑھانے تک محدود ہو گئے، مدارس نے سند فراغت دینے کو اپنا فرض سمجھا تو پھر یہ بڑی تعداد تربیت اور ٹریننگ کے بغیر عضو معطل بن گئی۔

اب ہر مدرسہ ہر ادارہ تجربہ بھی مانگتا ہے تو پھر یہ بڑی تعداد بالکل شروع میں تجربہ کہاں سے لائے؟ اس کے لئے دارالعلوم دیوبند نے ایک بہت عمدہ کام شروع کیا تھا جس کا نام "تدریب المعلمین" رکھا گیا تھا، چند سال پہلے کئی جگہوں پر ''تدریب المعلمین'' کے نام سے عمدہ پروگرام بھی ہوئے تھے جن کا بہترین فائدہ بھی ہوا تھا، ضرورت ہے کہ اس سلسلہ کو بڑھایا جائے۔

قدیم فضلاء جو کسی بھی فن یا کتاب میں درک و رسوخ رکھتے ہیں انھیں چاہئے کہ جدید فضلاء کو وقت دیں، ان کو تعلیم کا طریقہ بتائیں، تدریس کے گر اور حکمتیں سجھائیں، قدیم فضلاء ایسے نئے فارغین کو نظر میں رکھیں جو تدریس و تعلیم کا مزاج اور ذوق رکھتے ہیں، فراغت سے پہلے ہی ان کا ذہن بنائیں کہ تمہیں کس طرح پڑھانا ہے کیا پڑھانا ہے۔ میرے استاذ حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑوی جب مظاہر علوم میں نئے نئے لگے تو ان کے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ مولانا نے عرض کیا کہ ابتدائی کتابیں پڑھانا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی حضرت نے شاباشی فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔

بہرحال قدیم فضلاء جدید فارغین کی رہنمائی کو اپنا فرض سمجھیں اور جدید فضلاء قدیم فضلاء کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں تو یہ مٹی اچھی خاصی زرخیز ثابت ہوسکتی ہے۔

☆......☆......☆

ان جذبوں کو کون شکست دے سکتا ہے؟

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

خون منجمد کرتی سردترین فضاؤں میں......ٹمپریچر منفی پانچ سے سات ڈگری...... ہر طرف سفید برف سے ڈھکے ہوئے پیچیدہ، تکلیف دہ اور دشوار گزار پہاڑی کٹھن راستے بلکہ پگڈنڈیاں عبور کرتے...... ہر طرف سفیدی اوڑھے سنسناتی ہواؤں کے دوش پر چلنے والے یہ کون جیالے ہیں......؟؟؟ سردترین موسمی طوفانوں میں گھرے ہوئے یہ دیوانے کون ہیں......؟؟؟

سروں پر چھتریاں ڈالے پرخطر راہوں پر عزم و ہمت کے یہ پیکر کس مشن اور کس کاز پر رَواں دوَاں ہیں؟...... یہ چند مناظر دیکھ کر ہی جسم کے انگ انگ میں جھرجھری سی آ گئی...... بدن میں سردترین جھونکوں سے تھرتھراہٹ سی محسوس ہونے لگ گئی...... یہ کس قبیلے کے لوگ ہیں جو صبح کی پو پھوٹنے سے قبل گھروں سے نکل کر کہاں جا رہے ہیں......؟؟؟......ان دشوار گزار رستوں پر چلتے ہوئے معمولی سی غلطی کی گنجائش بھی بظاہر نہیں......لمحوں کی خطاء سے سخت جسمانی نقصان کے خوف اور اندیشوں سے عاری ہو کر ان پرخطر ٹیلوں میں کس منزل کے مسافر ہیں......؟؟؟

بلند و بالا پہاڑوں کے پیچیدہ راستوں پر چلنے والے، چٹانوں سے زیادہ بھاری حوصلہ اور جگر رکھنے والے کوئی اور نہیں...... یہ ہمارے عظیم علمی و روحانی اور فکری نسبتوں والے ادارے وفاق المدارس العربیہ کشمیر کے مسؤل برادرم مولانا سید عدنان شاہ سلمہ اللہ اور ان کے معاون وہ علماء ہیں جو وفاق المدارس کے جاری امتحانات میں بلند و بالا پہاڑوں ندی نالوں پر جمی برفیلی راہوں پر اپنی مفوضہ ذمہ داریاں انجام دینے میں مصروف عمل ہیں......!!۔

"راقم" نے اپنے "برادرم" سے سخت ترین موسمی اثرات والے ان علاقوں کی بابت پوچھا تو انہوں نے چند امتحانی مراکز کے نام بتائے جہاں وہ دو روز قبل تک جا چکے تھے......جن میں جامعہ امام ابوحنیفہ بھیڑی مظفرآباد، جامعہ ام القریٰ کیل نیلم، جامعہ دارالقرآن خواجہ سیری شاردہ نیلم، جامعۃ الھدیٰ دوسٹ نیلم، جامعہ عائشہ صدیقہ لیپہ جہلم ویلی کے امتحانی مراکز شامل ہیں......اور پھر آج چوتھے پرچے میں اس قسم کے دیگر مقامات پر بھی مولانا موصوف اپنی ٹیم کے ہمراہ گئے......ان کا یہ سفر مزید دو روز جاری رہے گا......ان شاءاللہ!۔

ان سخت مراحل سے گزرنے والے صرف وہ اور ان کے ہمراہ اُن کے معاونین ہی نہیں بلکہ ان امتحانی مراکز میں نگران عملہ کے کئی افراد بھی سخت موسمی حالات سے نبرد آزما رہے......اسی طرح ان ہی علاقوں میں وفاق المدارس

کے ''معتمدین'' کی وہ ٹیمیں بھی ہیں جو اپنے اہم ترین کاموں میں مصروف عمل ہیں۔

بلند و بالا عزم و ہمت اور مثالی خدمت شعاری کے جذبوں سے لبریز داستان رقم کرنے والے ان جوانوں کو سلام عقیدت اور ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

سلام عقیدت ان اداروں اور مراکز دینیہ کو بھی جنہوں نے ایسے باکمال افراد کی قابل رشک تربیت کی۔

سلام عقیدت ان عظیم المرتبت والدین کو بھی پیش کرتے ہیں جنہوں نے اعلیٰ تربیت کا تخم بویا۔

سلام عقیدت ان اکابر کو بھی پیش کیا جانا ضروری ہے جنہوں نے ایسے نگینے تراش کر دین کے خادم بنائے۔

اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایسے جفاکش جذبوں کو بھلا کون شکست دے سکتا ہے......؟۔

"ان" حق پرست اکابر و اسلاف کے پیروکاروں، پرستاروں اور پروانوں کے فولادی عزائم رکھنے والے جوانوں کو کامرانیوں کی راہ پر چلنے سے بھلا کون روک سکتا ہے......؟؟

وفاق المدارس کے ان باصفا جیالوں نے اپنے عمل سے یقیناً ان لوگوں کو بھی پیغام دیا جو مدارس دینیہ کے بارے میں منفی رویہ اور سوچ سے آئے روز پروپیگنڈوں کا بازار لگائے رکھتے ہیں......وہ عناصر ہمارے ان مخلص رفقاء کے اس اعلیٰ وارفع کردار پر بھی اپنا زاویہ نظر ڈالیں۔ہم تعلیمی اداروں کا تقابلی جائزہ پیش نہیں کرتے......ہم تو بس اپنا کام کرتے ہیں......لیکن جو لوگ آئے روز سوالات اٹھاتے ہیں وہی یہ کام بھی کریں۔اور جو عناصر مدارس و دینی مراکز پر ہدف تنقید اور ملامت کے نشتر برساتے ہیں ہم ان کو دعوت فکر ضرور دیتے ہیں کہ "وہ" ہمارے "ان ہیروز" کی کاوشوں اور محنتوں کا جائزہ لیں......دیکھیں......پرکھیں اور سوچیں......کہ یہ دیوانے، مستانے اور پروانے کیسے اپنی دینی ذمہ داریوں کے فرائض کو انجام دے رہے ہیں اور کیوں ایسا کر رہے ہیں......؟؟؟

آئیں......اور یہ بھی دیکھیں کہ کیسے اپنے منصبی کام کو فکری وسعت، مشربی پختگی سے انجام دیتے ہوئے کون سا جذبہ ان کے پیش نظر ہے......؟؟ارفع و اعلیٰ دینی، علمی اور روحانی نسبتوں کی لاج کیسے رکھی جاتی ہے......؟۔

کیا کسی دنیاوی منفعت یا مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنے والا ایسا کام کر رہے ہیں......؟......سوچیں اور ضرور سوچیں!۔

"سید عدنان شاہ" جیسے جوانوں کا جواب صرف ایک ہے:......"رب تعالیٰ کے دین کی سربلندی کا کام اسی رب کی رضا کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا"......اور اپنے باصفا، باعظمت اکابر کے اعتماد پر پورا اترتے ہوئے علم دین کی خدمت سے اپنی آخرت سنوارنے کے عزم پر گامزن ہونا "ان" کے پیش نظر ہے......!۔اور پھر یہاں ایک "سید عدنان شاہ" نہیں......بلکہ اس راہ عزیمت کے راہرو کئی "سید عدنان شاہ" ہیں......الحمدللہ!۔

وفاق المدارس العربیہ اسلاف امت کی چھ دہائیوں سے زائد عرصہ سے دین وشرعی رہنمائی کے لیے افراد سازی کے اپنے کلیدی واساسی نکتہ پر آج بھی پہلے دن کی مانند اسی جوش اور ولولہ سے الحمدللہ قائم ہے۔

مدارس دینیہ الحمدللہ جدید دور کے تمام ضروری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بہترین واعلی اخلاقی تربیت کے ساتھ باکمال رجال کار اور افراد سازی کے کام کو اخلاص کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ رفاہی وسماجی خدمات سمیت کئی جہتوں پر مثالی کام کے باوجود آج بھی اپنے قدمت پسندانہ افکار کے حامل اکابر کے فکر وفلسفہ پر سختی سے عمل پیرا ہیں......اور اسی قوت اور جذبوں کی تازگی کے ساتھ اپنے اکابر ومشائخ سے منسلک ہیں۔

الحمدللہ!......کشمیر جیسے موسمی حالات کا سامنا ہمارے بلوچستان کے کئی علاقوں سمیت چترال، گلگت بلتستان اور اسکردو وغیرہ میں بھی رہا......اور ان تمام علاقوں میں الحمدللہ اسی ولولہ، اسی جوش، اسی جذبہ اور اسی اخلاص سے وفاق المدارس العربیہ کے یہ اراکین، منتظمین، مسولین، نگران، معتمدین اپنی اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیدیتے ہوئے نظر آئے۔ملک بھر کے شہر شہر، قریہ قریہ، بستی بستی میں یہ امتحانی عمل مکمل طور پر اپنے اکابر کے وضع کردہ مثالی اصول و ضوابط پر گامزن ہیں اور اسی پر عمل پیرا ہیں۔ان سب کی اسی اجتماعی سوچ، فکر اور کام کی بدولت وفاق المدارس اور مدارس دینیہ کی ہمہ جہت خدمات کا روشن کردار ساری دنیا کے لیے ایک مثال اور نمونہ ہے۔

رب تعالیٰ ہمارے اکابرین وقائدین وفاق المدارس، مرکزی دفتر کے مخلص احباب، صوبائی قیادت کو بھی اپنی شان کے مطابق اجر عطا فرمائیں جوان ایام میں رات دن کی تمیز کئے بغیر فکروں میں مصروف رہتے ہیں۔

لاکھوں طلباء وطالبات اور ہزاروں مدارس کو درپیش مسائل کے فوری حل کیلئے ہمہ وقت فعال رہتے ہیں۔

امتحانی مراحل کی تکمیل کے ساتھ ہی چاروں صوبوں میں لاکھوں پرچوں کی جانچ پڑتال کے مرحلہ کی تیاریاں بھی وقت سے قبل مکمل کرلی گئی ہیں۔جس میں اس سال ریکارڈ تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔بائیس سو ممتحنین، سو ممتحن اعلیٰ اور نو سو خدام و منتظمین بارہ روز تک رات دن مصروف عمل ہوں گے، اور ان شاء اللہ اپنی سابقہ حسیں روایات کے مطابق اپنے مقررہ وقت پر نتائج کا اجراء بھی ہوگا۔

ان تمام مراحل پر "راقم" کئی بار مفصل تحریریں لکھ چکا ہے۔اسی طرح تمام ضروری اطلاعات کی بروقت اشاعت سمیت مختلف میڈیا کے پروگراموں کے ذریعے بھی الحمدللہ کوششیں رہتی ہیں۔۔لیکن ہر سال کچھ نہ کچھ نئے کام سامنے آتے ہیں جو مدارس دینیہ سے محبت کرنے والوں کے علم میں نہیں ہوتے تو اس پر بھی فوری کام کی کوشش ہوتی ہے۔بہرحال اکابر واسلاف امت کی برسوں کی محنتوں وکاوشوں سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی خدمات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔

یاد رہے کہ مجموعی طور پر اس "ادارہ" سے وابستہ مخلص احباب و رفقاء کی انفرادی کارکردگی دراصل اجتماعیت و یگانگت کی اساس عمیق فکری بنیادوں پر قائم ہے۔ اتفاق واتحاد کے یہی ثمرات ہیں کہ آج دنیا بھر میں کئی احوال سے ایک ممتاز حیثیت اس "ادارہ" کو آج حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام کو اخلاص کی نعمت کے ساتھ اپنی رضاء کے مطابق اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں؛ اور تمام بڑے چھوٹوں کو اپنی شان کریمی کے مطابق اجر و بدلہ عطاء فرمائیں۔

"ناشطہ" اور ایک بنگالی طالب علم

ڈاکٹر تابش مہدی اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں، ہمارے بزرگ دوست مفتی عبدالرؤف منصف مبارک پوری مرحوم نے اپنے دور طالب علمی کا ایک واقعہ ایک سے زائد بار سنایا تھا۔ بتایا کہ دارالعلوم دیوبند میں چوں کہ ناشتے کا نظم کبھی نہیں رہا ہے، جو طلبہ ناشتہ کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے اپنے طور پر ناشتے کا نظم کرتے ہیں اور جن طلبہ کی مالی حالت اچھی نہیں ہوتی وہ صرف دوپہر اور رات کے کھانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کے ایک بنگالی ساتھی نے مہتمم صاحب کے نام درخواست لکھی۔ اُس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

حضرت! میں بنگال کا ایک طالب علم ہوں دارالعلوم میں موقوف علیہ میں زیر تعلیم ہوں، دارالعلوم میں ناشتے کا کوئی انتظام نہیں ہے، میری حیثیت ایسی نہیں ہے کہ میں اپنے طور پر صبح کے ناشتے کا نظم کرسکوں، گھر میں رات کی روکھی سوکھی روٹی کھا کر کام چلاتا رہا ہوں، مدرسے میں اچھے نمبر حاصل کرتا رہا ہوں، الحمدللہ دارالعلوم میں بھی میری تعلیمی حالت اچھی ہے، اچھے نمبر لاتا ہوں، ساتھیوں سے مقابلہ رہتا ہے، لیکن دوپہر تک بغیر کچھ کھائے پیے پڑھنا میرے لیے بے حد مشکل ہے، اس کا اثر میری تعلیم پر بھی پڑ سکتا ہے، اگر حضرت والا میرے لیے ناشتے کا کوئی انتظام فرما دیں تو بڑی نوازش ہوگی، تعلیم کی تکمیل بھی ہوجائے گی اور میرے نمبرات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔"

اس مضمون کی درخواست وہ طالب علم دفتر اہتمام کے منشی کو دے کر آ گیا حضرت مہتمم صاحب تشریف لائے، درخواست دیکھی تو مسکرائے اور کسی چپراسی کے ذریعے سے اُس طالب علم کو بلوایا، وہ آیا اور سلام کر کے کھڑا رہا، حضرت قاری صاحب نے کچھ دیر بعد سر اٹھایا۔ پوچھا: درخواست آپ کی ہے؟ اس نے کہا: جی حضرت! حضرت قاری صاحب نے فرمایا: آپ کی صلاحیت اور استعداد کا عالم یہ ہے کہ آپ ناشتہ "ط" سے لکھتے ہیں "ناشطہ"۔ لیکن رعایت اتنی بڑی چاہتے ہیں کہ دارالعلوم کے قانون اور ضابطے کے علی الرغم آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ کیا جائے، حضرت قاری صاحب کی یہ تنقیدی گفتگو سن کر وہ طالب علم فوراً کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مخاطب ہوا اور کہا: حضرت! آپ ناشتہ "ت" سے لکھتے ہیں؟ پھر تھوڑے سے توقف کے بعد بولا صحیح لفظ تو "ناشطہ" ہی ہے، یہ نشاط پیدا کرتا ہے، صبح کا یہ ناشطہ، دن بھر انسان کو چاق و چوبند اور پھرتیلا رکھتا ہے، اگر ناشتہ "ت" سے عام ہے تو اس کی اصلاح ہونی چاہئے، قاری صاحب نے خفیف مسکراہٹ کے بعد اسے رخصت کیا اور منشی دفتر سے کہا: منشی جی! اگرچہ دارالعلوم میں ناشتہ کا نظم نہیں ہے، لیکن اس طالب علم کو اس کی حاضر دماغی اور ذہانت کے پیش نظر میرے حساب میں ناشتہ کی بہ قدر رقم ہر ماہ دی جاتی رہے۔ (تیز دھوپ کا مسافر/ ڈاکٹر تابش مہدی/ ۲۲۷)

دینی مدارس کا قابلِ تقلید نظام

جناب ضیاء چترالی

روزنامہ امت کراچی

وطن عزیز میں جہاں دیگر تمام شعبے انحطاط کا شکار ہیں، وہیں تعلیم کا بھی برا حال ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ دیگر شعبوں کی تباہی کا بنیادی سبب بھی تعلیم کا زوال ہے۔ یہ حقیقت کس سے مخفی ہے کہ دنیا میں ترقی وعروج انہی قوموں کا مقدر ہے، جو تعلیم کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔ لیکن صد افسوس کہ جس امت مسلمہ کے لیے آنے والا سب سے پہلا آسمانی پیغام ہی ''اِقْــرَاء'' (پڑھ) تھا، وہی اس میدان میں سب سے پیچھے ہے۔ آپ تعلیم کے حوالے سے کوئی بھی عالمی رینکنگ کو سامنے رکھیں، مسلم ممالک آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ دنیا کی سو بہترین یونیورسٹیاں ہوں یا تحقیق کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے محققین، یا محیر العقول اشیاء ایجاد کرنے والے سائنسدان و ماہرین، سب آپ کو اغیار کی صفوں سے ہی ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم ہماری ترجیحات میں سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔

دنیا حصول تعلیم کے لیے جدید ترین طریقے اپنا رہی ہے اور ہم انگریز دور کے فرسودہ نظام کو بھی ڈھنگ سے چلانے سے قاصر ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال ہمارا امتحانی نظام ہے۔ جس کے بارے میں سامنے آنے والی خبریں پڑھ کر سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ نقل مافیا کو کھلی چھوٹ ملتی ہے اور وہ مطلوبہ رقم لے کر نقل کرانے سے لے کر پورے پرچے حل کرانے تک کی خدمت سرانجام دیتی ہے۔ پھر بورڈ میں "سیٹنگ" کر کے من پسند نمبرات کا حصول بھی کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ زیادہ نمبرات بلکہ پوزیشن تک کے لیے سیٹنگ کی جاتی ہے۔ ایسے میں کسی کا اپنی محنت کے بل بوتے پر آگے آنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طالب علم محنت سے کنی کتراتے ہیں۔ آخر سر کھپانے کی ضرورت ہی کیا ہے، جب اس کے بغیر بھی من پسند رزلٹ کا حصول ممکن ہو۔ جب سب کی سوچ ہی یہی ہو تو پھر ایسی نسل تیار ہوتی ہے، جو کسی علمی میدان میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی۔

ہمارے مختلف بورڈز کے امتحانات میں جو کچھ ہوتا ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اسی ملک میں ایک ایسا تعلیمی بورڈ اور امتحانی نظام موجود ہے، جو کسی صورت بھی بین الاقوامی معیار سے کم نہیں ہے۔ جی ہاں، وہ ہے دینی مدارس کا تعلیمی بورڈ وفاق المدارس العربیہ۔ جس کا نظم اور پورا سسٹم مثالی ہے۔

راقم کو دونوں ہی کا ذاتی تجربہ ہے۔عصری اداروں (یونیورسٹی سطح تک) کے ساتھ وابستگی رہی ہے اور مدارس سے جڑے 25 سال ہوگئے۔ وہ نری عقیدت کے بجائے ٹھوس حقائق کی بنیاد پر یہ دعویٰ کر رہا ہے۔تقریباً 15 سال سے وفاق کے امتحانات میں مسلسل ڈیوٹی سرانجام دینے کا موقع مل رہا ہے۔ دو تین برس قبل پہلی بار کراچی انٹر بورڈ کے چیئرمین پروفیسر انعام احمد نے کراچی میٹرک بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر سعید الدین کے ہمراہ ہمارے سینٹر کا دورہ کیا۔ ان کے ساتھ میڈیا کی ٹیم بھی تھی۔ وفاق المدارس کے امتحانی نظام کو دیکھ کر یہ حضرات ششدر رہ گئے۔ دونوں نے کہا کہ ہمیں مدارس کے مثالی نظام سے استفادہ کرنا چاہئے اور اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم وفاق المدارس کے ساتھ مل کر ایسا نظام تشکیل دیں، جس سے ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

پروفیسر انعام احمد نے کھل کر اعتراف کیا کہ ہمارا عصری تعلیمی نظام نقائص کا مجموعہ ہے اور مدارس کا نظام دیانت و امانت پر استوار ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ وفاق المدارس کے تحت تقریبا 5 لاکھ طلبہ و طالبات امتحانات میں شریک ہیں۔ مگر ملک بھر میں کوئی بھی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آتا، رینجرز اور پولیس تو دور کی بات، امتحان کے وقت مقامی مدرسے کے اساتذہ کو بھی بلانے کی ضرورت نہیں پڑتی تو مہمانانِ گرامی حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے۔

وطن عزیز میں وفاق المدارس کے علاوہ بھی دینی مدارس کے کئی اور بورڈز ہیں، لیکن وفاق المدارس سب سے بڑا نیٹ ورک ہے، جس کے ساتھ 20 ہزار 9 سو 44 مدارس میں منسلک ہیں۔ جہاں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد لاکھوں میں ہے اور پورے ملک کے ان تمام طلبہ و طالبات کے امتحانات ایک ساتھ شروع اور ایک ہی دن ختم ہوتے ہیں اور پھر ایک ماہ سے بھی کم مدت میں نتائج بھی جاری کئے جاتے ہیں۔ امسال ملک کے اس سب سے مثالی اور شفاف ترین تعلیمی نظام کے تحت 24 درجات کے 5 لاکھ 94 ہزار 7 سو 84 طلبا و طالبات امتحان میں شریک ہوئے۔ جن کیلئے ملک بھر میں 3 ہزار 2 سو 7 امتحانی مراکز قائم کئے گئے، جہاں تقریباً 19 ہزار نگران علماء و معلمین اور عالمات و معلمات نے ڈیوٹیاں سرانجام دیں۔ پورے ملک میں ایک ہی وقت میں بہترین و مثالی نظم و ضبط کے ساتھ امتحانی عمل کا کامیاب آغاز اور اختتام ہوا۔ سخت ترین موسمی حالات اور طوفانی بارشوں کے باوجود کوئی پرچہ کینسل نہیں ہوا۔ کسی جگہ بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ رپورٹ نہیں ہوا۔

وفاق المدارس کے امتحانات میں یہاں کاپی کلچر، نقل مافیا، تعلقات کی بنیاد پر نمبر بڑھانے یا من پسند سینٹر لگوانے، پیسے دے کر پوزیشن لینے، پرچہ آؤٹ ہونے، امتحانی عملے سے طلبہ کے الجھنے اور اس جیسی باتوں کا کوئی تصور بھی نہیں، جو ہمارے عصری تعلیمی بورڈز کا "طرۂ امتیاز" ہیں۔ وفاق المدارس کے تحت ہونے والے امتحانات کے نظم نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے کہ ایک ہی وقت میں پورے ملک یہاں تک کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے

پہاڑوں میں پرچہ شروع ہوتا ہے اور ملک بھر کے طلبہ ایک ہی پرچہ حل کرتے ہیں۔

ان پرچوں کی مکمل حفاظتی اقدامات کے ساتھ ترسیل ہوتی ہے۔ پھر پرچوں کا پورے ملک سے ملتان میں جمع ہونا اور پھر وہاں مرتب کر کے چاروں صوبوں میں بھجوانا اور وہاں جانچ پڑتال کے مراحل سے گزار کر واپس ملتان دفتر وفاق بھیجنا اور نتائج تیار کروانا یہ اتنا لمبا سلسلہ ایک ماہ کے اندر اندر مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ سارا سسٹم چلانے والے بھی انسان ہیں، غلطی سے مبرا نہیں، لیکن چونکہ سارا سسٹم دیانت وامانت، اخلاص و للّٰہیت، خوف خدا اور فکر آخرت کے جذبے سے چلتا ہے، اس لئے مجموعی طور پر لائق تحسین ہے۔ تنزل وانحطاط کے اس دور میں بغیر کسی سرکاری مدد وتعاون کے ایسا نظام چلانا علمائے کرام کے اخلاص وللّٰہیت کا ثمرہ ہے۔ جس سے ہمارے عصری اداروں اور سرکاری بورڈز کے کارپردازوں کو سبق سیکھنا چاہئے۔ وہ دینی مدارس کے اس مثالی نظام کی تقلید کرتے ہوئے اپنے فرسودہ نظام کی اصلاح بھی کر سکتے ہیں۔

اشتہار

اجلاسات وتربیتی پروگرامات بسلسلہ سالانہ امتحانات صوبہ خیبر پختونخوا

مولانا مفتی سراج الحسن

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام سالانہ امتحانات نہایت کامیابی اور خیر وخوبی کے ساتھ انعقاد پذیر ہوئے۔ کے پی کے؛ کے پہاڑی اور دشوار گزار علاقوں، خصوصاً برف باری کے موسم میں امتحانات کا انعقاد بجائے خود کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، لیکن الحمدللہ وفاق المدارس کے منتظمین اس مرحلے سے احسن انداز میں گزرے۔

میں مزید استحکام اور بہتری پیدا کرنے کے لیے وفاق المدارس کے اکابرین ملک بھر میں امتحانات کے حوالے سے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں صوبہ خیبر پختونخوا کے ناظم حضرت مولانا حسین احمد صاحب زید مجدھم نے بھی گزشتہ کی طرح امسال بھی دلجمعی سے پورے صوبے میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ پورے صوبے میں آپ نے نہ صرف مسئولین کے اجلاسات کی صدارت کی بلکہ مصروفیات کے باوجود اکثر اضلاع میں امتحانی عملہ کی تربیتی نشستوں میں بھی شرکت فرمائی۔

تربیتی نشستوں سے ناظم وفاق خیبر پختونخوا زید مجدھم نے امتحانات کے قواعد وضوابط پر عمل کرنا انتظامی، اخلاقی اور شرعی ذمہ داری قرار دیا۔ آپ نے واضح کیا کہ وفاق المدارس کا قیام اللہ تعالی کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کے تمام تر خدمات باعث اجر وثواب ہیں۔ آئے روز طلبہ وطالبات کی تعداد میں اضافے کی پیش نظر ہماری ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ آپ نے امانت ودیانت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ کسی کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت خراب کرنا، خیانت کا مرتکب ہونا اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالی کو ناراض کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

آپ نے مسؤلین حضرات کو خصوصی ہدایات جاری کرتے ہوئے فرمایا کہ امتحانات کے حوالے سے ہر ضلع میں امتحانی عملہ (بنین وبنات) کی تدریب کرانا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ امتحان بھی نظام تعلیم کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے، طلبہ وطالبات کی سال بھر کی محنت اب آپ نگران عملہ اور جانچ پڑتال کرنے والے ممتحنین کے ہاتھوں میں ہوتا ہے لہذا اس حوالے سے معمولی سی غلطی اور غفلت سے بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ سکتا ہے۔ حفظ کے بچوں سے امتحان میں دو باتوں کا خصوصی خیال رکھا جائے:

(۱) آسانی (۲) انصاف۔ (۱) آسانی کا مطلب یہ ہے کہ بچوں سے مجمل سوالات نہ کیے جائیں۔ بلکہ سوال میں پوری آیت پڑھی جائے۔ طلبہ کو مرعوب نہ کیا جائے تاکہ طلبہ کا امتحان متاثر نہ ہو۔ سب سے پہلے طالب علم کو اپنے

ساتھ مانوس کرنے کے لیےاس کا نام پوچھےاسے حوصلہ دے پھرامتحان شروع کریں اسی طرح سب سوالات نہ زیادہ مشکل ہوں اور نہ بالکل آسان۔(۲) انصاف کا مطلب یہ ہے کہ ممتحن کی حیثیت قاضی کی ہے وفاق المدارس نے آپ کوممتحن مقرر کر کے آپ لوگوں پر اعتماد کیا ہے لہذا ہمیں اب اپنے مزاج کے مطابق نہیں دینے چاہیے بلکہ نمبرات دینے میں استحقاق اور وفاق کے اصول وقواعد پیش نظر ہوں۔

دورانِ امتحان سنٹروں کا معائنہ کرنا مسئول کہ ذمہ داری ہے۔جن سنٹروں سے مسئول مطمئن نہ ہواس کی رپورٹ لکھ کرآئندہ سنٹروں کی تقرری میں مدنظر رکھے۔مسئول کی رپورٹ پرعمل درآمد کویقینی بنانے کے لیےضروری ہے کہ ایک کاپی صوبائی ناظم کوبھی ارسال کی جائے۔بنات کے سنٹروں میں اگر کہیں معلوم ہوکہ نگران معلمات کے لباس اور وضع قطع شرعی اصولوں اور مدارس کے ماحول کے ساتھ موافق نہیں توان سے معذرت کی جائے۔بعض اضلاع سے پرائیویٹ طلبہ وطالبات کا امتحان دینا بھی لمحہ فکریہ ہےاس کی بیخ کنی ضروری ہےاس بارے میں مدارس کو باقاعدہ تنبیہ کی جائے۔تاکہ ہمارا یہ نظم واقعی مثالی رہے۔خدانخواستہ کہیں ایسانہ ہوکہ ہماری غفلت کی وجہ سے اکابرین کےاس مشترکہ اثاثے کوکوئی نقصان پہنچے۔

رپورٹ لکھنے میں وفاق کے قواعد وضوابط سب سے اہم اور مقدم ہیں اس میں ہرگز مصلحتوں سے کام نہ لیا جائے۔آپ نے وفاق کے امتحانی نظم کوتمام عصری اداروں کے لیے قابل تقلید اور مثالی قرار دیا۔فرمایا کہ کوئی بھی ادارہ اس طرح کا پرسکون، پرامن اور شاندار نظام نہیں دکھا سکتا۔یہ امتیاز صرف پاکستان کے دینی مدارس کو حاصل ہے کہ وہ ایک مضبوط نیٹ ورک سے وابستہ ہیں اورقرآن وسنت کی ترویج کے لیےان کی آواز ایک ہے۔وفاق المدارس نے یکساں نظام تعلیم کو متعارف کراتے ہوئے امیر وغریب کا فرق ختم کیا ہے جہاں حکومت تعلیم کی سہولیات مہیا نہیں کرسکی وہاں وفاق المدارس بچوں اور بچیوں کوتعلیم کی روشنی سے منور کررہاہے۔ مسئولین حضرات نئے الحاق میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے جملہ شرائط کو مدنظر رکھیں ۔تنظیمی اختلافات کی بنیاد پر الحاق اور سنٹروں کی تقرری میں ضدبازی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پالیسی کے بالکل خلاف ہے۔دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے سب سیاسی جماعتوں کے ساتھ وابستگی رکھنے والے مدارس ہمارے لیے ایک جیسے ہیں۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان اجتماعیت کا نام ہے اور ہم سب کا مشترکہ اثاثہ ہے۔وفاق کے مفادات کی رعایت رکھیں گے تووفاق مزید مستحکم ہوگا اور طلبہ وطالبات کا اعتماد مزید بڑھے گا۔وفاق کے ساتھ الحاق خوداس مدرسہ کاتحفظ ہے۔وفاق المدارس دینی مدارس کا سب سے بڑااور ذمہ دار بورڈ ہے

سوال وجواب کی نشست میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے کہا کہ مدارس کا بنیادی مقصد قرآن وحدیث کی

حفاظت اوراشاعت ہے اور مدارس اس میں سوفیصد کامیاب ہیں ۔ مدارس اپنے نظام ونصاب میں مکمل آزاد ہیں ۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے تمام دینی مدارس کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نصاب دیا ہے اور اس کی نگرانی کررہا ہے۔آج مدارس کے بارے طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے ہیں لیکن ہم مقتدر قوتوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ آئے اور ہمارے مدارس کے نظام ونصاب کو دیکھے تو ان شاء اللہ اگر برمبنی انصاف موازنہ کیا جائے تو ہمارے ادارے عصری اداروں سے کسی طور پر بھی پیچھے نہیں ہونگے ۔آج مدارس کے خلاف استعماری قوتیں متحد ہو چکی ہیں ہم اتحاد واتفاق کے ذریعے مدارس کے خلاف ہر سازش کو ناکام بنادینگے ۔دینی مدارس نے ہمیشہ ملکی سلامتی اور احترام کی بات کی ہے۔مدارس میں ملک وقوم کے خیر خواہ تیار ہوتے ہیں کوئی بھی طاقت مدارس کو ختم نہیں کرسکتی ۔سازشیں کرنے والے خود ناکام ہوں گے ۔دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔گزشتہ سال نوے ہزار سے زائد بچوں اور بچیوں نے وفاق المدارس سے ملحق اداروں میں حفظ مکمل کیا جبکہ اس سال وفاق المدارس سے ملحق مدارس میں حفاظ کی تعداد ایک لاکھ سات ہزار 582 طلبہ وطالبات نے امتحان کے لیے داخلہ بھیجا تھا اللہ تعالی ان بچوں سے قرآن مجید کی حفاظت کا کام لے رہے ہیں۔جبکہ درس نظامی میں امتحان دینے والے طلبہ وطالبات کی تعداد چار لاکھ 85 ہزار 547 ہے۔جبکہ اس وقت ملک بھر میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کی تعداد 36 لاکھ سے زائد ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے کہا کہ مدارس رجسٹریشن کے سلسلے میں طے شدہ معاہدہ پر عمل نہیں ہورہا۔وہ ایک جامع معاہدہ ہے جس کی رو سے مدارس کے دیگر مسائل مثلاً بینک اکاونٹس ،غیر ملکی طلبہ کے لیے تعلیمی ویزوں کا اجراء،کوائف طلبی جیسے مسائل کو مدارس کی ضرورت وسہولت کے مطابق قانونی شکل دی جائے گی۔رجسٹریشن کے حوالے سے وفاق المدارس کا مؤقف اب بھی یہی ہے کہ صرف رجسٹریشن نہیں، بلکہ حکومت دینی مدارس کو درپیش جملہ مسائل کا سنجیدگی سے حل نکالے۔ہم رجسٹریشن سے انکاری نہیں،تاہم یک طرفہ فارم کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔

پشاور میں امتحانی پرچوں کی پڑتال کا آغاز:

مدارس دینیہ کے سب سے بڑے بورڈ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت ہونے والے سالانہ امتحانات کے کامیاب انعقاد کے بعد لاکھوں پرچوں کی مارکنگ کا عمل دیگر صوبوں کی طرح صوبہ خیبر پختون خوا میں بھی شروع ہوگیا ہے۔صوبہ بھر سے ساڑھے پانچ سو سے زائد ممتحنین جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ جامع مسجد درویش پشاور صدر پہنچ گئے ہیں۔اس حوالہ سے مؤرخہ 12 فروری 2024ء بروز پیر میں صوبائی ناظم وفاق المدارس العربیہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم کی صدارت افتتاحی میں تقریب منعقد ہوئی،جس میں رکن امتحانی کمیٹی حضرت

مولانا حافظ شوکت علی حقانی مدظلہم، رکن مجلس عاملہ حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ دامت برکاتہم، جامعہ عثمانیہ پشاور کے مدیر حضرت مفتی غلام الرحمن مدظلہم، جامعہ امدادالعلوم الاسلامیہ جامع مسجد درویش پشاور صدر کے مدیر حافظ محمد داود فقیر مدظلہم نمائندہ دفتر وفاق جناب عبدالمتین صاحب سمیت ممتحنین اعلی اور کثیر تعداد میں ممتحنین شریک ہوئے۔

ناظم وفاق المدارس صوبہ خیبر پختون خوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب نیاپنے کلیدی خطاب میں صوبہ بھر سے آئے ہوئے ممتحنین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ طلباء وطالبات کا امتحان ختم ہوگیا اور اب ہمارا امتحان شروع ہوگیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہزاروں مدارس کے لاکھوں طلباء وطالبات کی محنتوں کے ثمرات کی شکل میں نتائج کی تیاری کیلئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ انہوں نے سینکڑوں ممتحنین علماء کو ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی حیثیت شاہد، امین اور قاضی کی ہے آپ نے تینوں حیثیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے نمبرات لگانے ہیں۔ استحقاق سے زیادہ یا کم نمبر لگانا انصاف وعدل کے خلاف ہے، ہم نے ہر حال میں وفاق المدارس کے اصولوں کی مکمل پاسداری کرنی ہے۔ ممتحنین کی خدمت کیلئے ڈیڑھ سو سے زائد معاون موجود ہیں۔ صوبائی ناظم نے اس موقع پر مارکنگ کے حوالے سے جملہ ہدایات بھی تفصیل سے بیان کیے۔

جامعہ عثمانیہ پشاور کے مدیر شیخ الحدیث حضرت مفتی غلام الرحمن مدظلہم نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ پرچہ جات کی جانچ پڑتال بڑا مشکل کام ہے آپ صرف ایک ممتحن نہیں بلکہ آپ کی وجہ سے دینی مدارس کی نظامت تعلیم ونظامت امتحانات کا مستقبل وابستہ ہے۔ جب تک دیانت موجود ہوتو کوئی بھی ہمارے نظام تعلیم وامتحانات پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی نائب صدر اول حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ العالی افتتاحی تقریب کے بعد سالانہ امتحان کے پرچوں کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں نقاہت، ضعف وپیرانہ سالی کے باوجود بھی جامعہ امدادالعلوم پشاور تشریف لائے۔ امتحانی کمیٹی وممتحنین اعلی کے مشترکہ اجلاس میں شرکت کی۔

اس موقع پر حضرت نے جانچ پڑتال کے عمل اور دیگر جملہ انتظامات پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ آپ نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا: ”آپ سب حضرات گھریلو ضروریات کو چھوڑ کر عظیم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وفاق ہمارے اکابر کی امانت ہے۔ وفاق المدارس کی شکل میں اکابر نے ہمیں ایک گلدستہ چھوڑا ہے۔ اس کو مزید مستحکم اور ترقی دینے میں آپ حضرات کی محنتیں اور کوششیں قابل قدر ہیں۔ صوبائی ناظم وفاق المدارس حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی نگرانی میں جانچ پڑتال کا نظام اطمینان بخش ہے۔“ اس موقع پر حضرت کے معاون خصوصی صاحبزادہ مولانا سلمان الحق صاحب، مولانا بلال الحق صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اجلاس تدریب الممتحنین بلوچستان

مولانا مفتی سید عبدالرحیم
رکن امتحانی کمیٹی وفاق المدارس

پہلا اجلاس برائے ممتحنین حفظ:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ضلع قلعہ عبداللہ وچمن کے ممتحنینِ حفظ وممتحنِ اعلیٰ حضرت کا اجلاس (بحکمِ حضرت مولانا صلاح الدین صاحب مسؤ ولِ وفاق)

8 رجب المرجب 1445ھ بمطابق 20 جنوری 2024ء بروز ہفتہ بمقام جامعہ دارالعلوم چمن میں منعقد ہوا۔اجلاس کے شروع میں بندہ راقم السطور نے چند باتیں ان کے سامنے رکھی، جومندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تھیں:

(1)وفاق کی طرف سے ضوابط کی تشریح۔(2)تین سوالوں کے متعلق۔(3)صفات مخارج کے متعلق۔(4)مسائل کے متعلق۔

بندہ کے بیان کے بعد ممتحنین نے بھی اپنے اپنے تجربے کی بنیاد پر تجاویز پیش کیں مثلاً:

طلبہ کرام سے رعب ودبدبہ دور کرنے کیلئے اُنس ومحبت کی فضاء میں امتحان لینا،طلبہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھ کر امتحان لیناوغیرہ۔بعد میں مولوی حافظ نعمت اللہ نعمانی صاحب نے بحیثیت ممتحن اعلیٰ اپنے معروضات پیش کی جوامتحانی اصول وضوابط پر مشتمل تھی مثلاً:

(1) تین سوالوں 24 کے بجائے 30 نمبر لینااور ہر سوال میں 10 نمبر لیناضروری ہے۔

(2)صفات ومخارج کے 30 نمبروں میں 12 لیناضروری ہے۔

(3)پرائیوٹ،متبادل اور مقطوع اللحیۃ طلبہ کی نشاندہی کیسے کی جائے؟۔دعا پر یہ مجلس ختم ہوئی۔

دوسرا اجلاس برائے نگران اعلیٰ حضرات:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ضلع قلعہ عبداللہ وچمن کے نگران اعلیٰ حضرات کا اجلاس(حسب حکمِ حضرت مولانا صلاح الدین صاحب: ناظم صوبہ بلوچستان ومسؤ ولِ وفاق) جامعہ دارالعلوم چمن میں بتاریخ 10 رجب المرجب 1445ھ بمطابق 22 جنوری 2024ء منعقد ہوا۔

واضح رہے کہ ضلع چمن وقلعہ عبداللہ کی مسئولیت ایک ہے اور الحمدللہ ان دوضلعوں کے نوجوان فارغ التحصیل

بڑے نشاط اور تن دَہی کے ساتھ وفاق کے امور انجام دیتے ہیں اور ہمارے مسئول حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب: مہتمم جامعہ دار العلوم چمن ان کے مداح رہتے ہیں۔

اجلاس میں بندہ راقم السطور نے سب سے پہلے شرکاء اجلاس کا شکریہ ادا کیا اور گزشتہ امتحانات کی طرح اس سال بھی امتحان میں نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کی خواہش ظاہر کی۔

اسی نظم وضبط کے حوالے سے حضرت شیخ الاسلام صاحب ادام اللہ فیوضاتہ کی ہدایات کا بھی شرکاء حضرات سے ذکر کیا جس کو حضرت نے جامعہ دار العلوم کراچی کے ناظمِ تعلیمات حضرت مولانا راحت علی ہاشمی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ سے فرمایا تھا کہ میں عذر کی بنا پر اجلاس میں شرکت نہیں کرسکتا ہوں ان حضرات کو صرف یہ ہدایت کرنا کہ!

"ضوابط میں نرمی نہیں کرنا اور برتاؤ میں سختی نہیں کرنا"

اس ارشاد میں پورا کا پورا اعتدال ہے جو ہمارے اکابر واسلاف کا طرّہ امتیاز ہے۔اس کے علاوہ بندہ نے شرکاء ِ اجلاس کے سامنے درج ذیل باتیں رکھیں:

(1)......وفاق کی طرف سے امتحانی قواعد وضوابط کی تشریح (اس میں نئے طباعت شدہ ضوابط وہدایات کا مکمل مطالعہ کیا گیا)

(2)......امتحانی ہال میں نگران اعلیٰ کا کردار اور اسکے کام میں احتیاط۔

(3)......نگران اعلیٰ حضرات کو شفافیت کی تاکید بھی کی گئی اور حسنِ اخلاق کو اپنانیکی طرف توجہ مبذول کرائی گئی۔

(4) نگران عملہ کے سینٹر والوں کے ساتھ حسنِ برتاؤ۔

(5) طلبہ کو سوالیہ پرچہ سمجھانا اور امتحانی ہال میں کثرتِ اعلانات سے پرہیز کرنا۔

(6) طلبہ کیلئے پُرسکون ماحول بنانا نگران عملہ کی ذمہ داری ہے۔

موبائل فون کے نقصانات پر مفصل بحث ہوئی کہ نگران اعلیٰ کے علاوہ اور کسی نگران کیلئے موبائل فون استعمال کرنے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔بندہ کے بیان کے بعد شرکاءِ مجلس نے بھی اپنے اپنے تجربے کی بنیاد پر اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔اس کے بعد نگران اعلیٰ حضرات کو اپنی اپنی امانتیں (فائلیں) سپرد کی گئیں اور دعا کیساتھ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

تیسرا اجلاس مسئولین صوبہ بلوچستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ بلوچستان کے تمام اضلاع کے مسئولین حضرات کا اجلاس حضرت

مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب ناظمِ صوبہ بلوچستان و مہتمم جامعہ دار العلوم چمن کے زیرِ صدارت بتاریخ 15 رجب المرجب 1445ھ (بمطابق 27 جنوری 2024ء) بروز ہفتہ حضرت ناظم صاحب مدظلہم العالی کی رہائش کوئٹہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کا افتتاح حضرت مولوی امیر حاتم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔

سب سے پہلے حضرت مولانا مولابخش صاحب رحمہ اللہ (مسئولِ ضلع مستونگ جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی درجات بلند فرمائیں) کے لیے دعاءِ مغفرت کی گئی۔

اس کے بعد حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب (مسئول ضلع پشین) نے تفصیل کے ساتھ حکومتی اداروں کی طرف سے ڈیٹا اور معلومات مانگنے کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔

ساتھ ہی مولانا ریاض الحق صاحب (مسئول ضلع تربت برائے حفظ) نے بھی اس مشکل سے مجلس کو آگاہ کیا۔

اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے صدرِ مجلس مدظلہم العالی نے تمام مسئولین کو ہدایات وطریقہ کار بتایا اور مدارس کی رجسٹریشن کرنے کی بھی ہدایات دی۔

اس کے علاوہ حضرت ناظم صاحب مدظلہم العالی نے درج ذیل چند باتوں پر روشنی ڈالا مثلاً:

(1) امتحانی نظم وضبط کو مضبوط کرنا۔

(2) نگران اعلیٰ اور ان کے معاونین کو پورے بیدار مغزی وتیقظ کیساتھ اپنا ذمہ داری انجام دینا۔

(3) سوائے نگران اعلیٰ کے اور عملہ کیلئے موبائل فون کے استعمال سے اجتناب کرنا۔

(4) مسئولین حضرات کو امتحانی مراکز کی معائنہ پر زور دیا۔

(5) اپنے حساب وکتاب کو مضبوط اور ضابطے کے مطابق بنانا۔

(6) سوالیہ پرچوں کی حفاظت کرنا اس لئے کہ یہ ہمارے اکابرینِ وفاق کے شبانہ روز محنت کا ثمرہ ہے۔

حضرت ناظم صاحب کے مجلس کے بعد شرکاء حضرات نے بھی اپنے اپنے مفید تجاویز پیش کئے۔

ماشاء اللہ! تمام مسئولین کا یہ اجلاس بڑا مفید رہا اور شرکاء نے سراہا۔ اللہ تعالیٰ تمام مساعی کو قبول فرمائیں۔ آمین!

☆......☆......☆

نقوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۲)

خطبات: مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہم، صفحات: 528۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: مکتبہ رشیدیہ، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ضلع ملتان۔ رابطہ نمبر 0300-4396067

مخدومی مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب مدظلہم گوناگوں خوبیوں کی مالک شخصیت ہیں۔ وہ جید عالم، کہنہ مشق استاذ، بے مثل خطیب اور صاحب قلم ادیب ہیں۔ زیر نظر کتاب ان کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب پابندی کے ساتھ اپنی جامع مسجد میں جمعہ کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے بیانات علم اور تاریخ وسیرت کا مرقع ہوتے ہیں۔ بیان کا مواد ایسا مرتب ہوتا ہے کہ طبع زاد مضمون معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے بیانات کا مجموعہ قبل ازیں خطبات صدیقی (جلد اول) کے عنوان سے آچکا ہے، یہ دوسری جلد ہے چونکہ یہ جلد پہلی جلد کی طرح سیرت النبی کے بیانات پر مشتمل ہے، اس لیے اسے ''نقوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس جلد میں ۲۳ / بیانات ہیں۔ جو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے حالات پر مشتمل ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خطیب اگر جمعہ کے بیان کی تیاری کر کے آئے اور منبر پر بیٹھ کر اس کا حق ادا کرے تو لوگ متوجہ ہوتے ہیں، پسند کرتے ہیں، اس لیے کہ ان علمی روحانی اور اخلاقی پیاس بجھتی ہے، ایسے خطیبوں کے ہاں جمعہ کے دن ان کے آنے سے قبل ہی مسجد کی بیشتر صفیں حاضرین سے پر ہو چکی ہوتی ہیں۔ ایسا خطیب کے اخلاص کی قوت سے ہوتا ہے۔

سیرت کا موضوع ایسا ہے جس سے ہماری زندگیاں بندھی ہوئی ہیں۔ خود قرآن کریم نے اعلان فرمادیا ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ، اسوۃ حسنہ کیا ہے؟ اس کا علم اہل علم سے ہوگا۔ سیرت کے بہت سے پہلو ہیں۔ اس میں جو عملی پہلو ہے وہ زیادہ قابل بیان ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ فروکش ہوئے تو مکہ مکرمہ سے یکسر مختلف صورت حال تھی۔ مکہ مکرمہ میں محض دعوت وتبلیغ تھی؛ لیکن مدینہ منورہ میں آنے کے بعد مسلمانوں کو اسلامی معاشرت، اسلامی ریاست کے قیام کا چیلنج بھی درپیش تھا۔ یہاں ایسا ماحول چاہیے تھا کہ جہاں آزادانہ طور پر دینی احکام پر بلاخوف وخطر عمل ہو سکے، اس مقصد کے حصول کے لیے غزوات وسرایا ہوئے۔ بدر واحد، خندق وتبوک کے بڑے معرکے پیش آئے۔ اس کی تفصیلات کافی حد تک دستیاب جلد میں آگئی ہیں۔ امید ہے یہ سلسلہ مزید آگے چلے گا اور قارئین کو محققانہ اسلوب کے حامل خطبات پڑھنے کو ملیں گے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ محمد بلال حقانی۔ صفحات: 208۔ طباعت: عمدہ، دوکلر۔ ملنے کا پتا: جامعہ زینب للبنین و للبنات، شاہ سورانی ضلع بنوں۔ رابطہ نمبر 0336-1545517

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت گرامی خواتین اسلام کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی زوجہ محترمہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی امتیازی خصوصیات سے نوازا تھا۔ زہد وتقویٰ، علم ودانائی، شعروادب، جودوسخا اور فصاحت وبلاغت میں ممتاز تھیں۔ آپ کی سیرت وسوانح پر کافی لکھا گیا ہے۔ جو شخص بھی آپ کی سیرت پر لکھے تو یقیناً اس کے لیے سعادت کی بات ہے۔ مصنف کے مطابق اس کتاب کی تالیف میں معتمد اور مستند کتب تفسیر وحدیث، اور تاریخ کتب سے مدد لی گئی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہر پہلو پر ابواب قائم کر کے تفصیلات درج کی گئی ہیں۔ آغاز کتاب میں حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقش بندی مدظلہم، مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم اور دیگر اکابر اہل علم کی تقریظات شامل ہیں۔

حرمین کرونا کے بعد (سفر نامہ)

مولف: ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن۔ صفحات: 112۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز اے۔ 18/4 ناظم آباد نمبر 4 کراچی۔ رابطہ نمبر 021-36684790

مولانا ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن معروف سیرت نگار، محقق اور ادیب ہیں۔ اب تک سیرت اور دیگر دینی موضوعات پر ان کی درجن بھر کتب شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب ان کے عمرے کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ ان دنوں کا ہے جب حرمین شریفین میں کرونا کے سبب بہت سی پابندیاں عائد تھیں، پھر ڈاکٹر صاحب نے انہی پابندیوں کو اپنے سامنے ختم ہوتے بھی دیکھا، ڈاکٹر عزیز الرحمٰن صاحب نے ان پابندیوں کو کیسا محسوس کیا؟ اسے جاننے کے لیے ''حرمین کرونا کے بعد'' ایک دلچسپ سفری روداد ہے۔

استنبول میں آٹھ دن

مؤلف ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن۔ صفحات: 224۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز ناظم آباد نمبر 4 کراچی۔ رابطہ نمبر 021-36684790

یہ ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن صاحب کا دوسرا سفر نامہ ہے۔ استنبول ایک تاریخ ہے، اس کے ہر گلی کوچے میں ماضی مرحوم اور

مسلمانوں کی شوکتِ رفتہ سانس لے رہے ہیں۔استنبول جانااوراس کی کوچہ گردی کرنا صاحبانِ ذوق کا خواب ہوتا ہے۔ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن صاحب نے استنبول کی کوچہ گردی کا صرف خواب نہیں دیکھا بلکہ اس کی تعبیر بھی پائی۔ سید عزیز الرحمٰن صاحب اگست 2023ء کے اوائل میں عازم استنبول ہوئے، آٹھ دن گزار کر 13 اگست کو واپسی ہوئی، سفر کے لیے گھر سے نکلنے سے لے کر واپس گھر پہنچنے تک تمام جزئیات سمیت ''استنبول میں آٹھ دن'' کے عنوان سے سفر نامہ لکھا۔قاری ایک مرتبہ کتاب کھولتا ہے تو سید عزیز الرحمٰن صاحب کی انگلی پکڑ کر استنبول کی کوچہ گردی شروع کر دیتا ہے، محویت کا عالم یہ رہتا ہے کہ قاری اس وقت ٹھٹھکتا ہے جب ڈاکٹر صاحب اچانک قاری کی انگلی چھوڑ کر واپس اپنے گھر کی دہلیز پار کر جاتے ہیں۔ یہ معلومات افزاء سفر نامہ ہمارے جیسے خشک علمی موضوعات میں گھرے لوگوں کو تازگی اور طراوت سے آشنا کراتا ہے۔

یادوں کے چراغ

مصنف: مولانا شکیل احمد ظفر۔صفحات: 272۔طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: مکتبہ عثمان بن عفان وہاڑی۔ رابطہ نمبر:0306-9023803

''یادوں کے چراغ''، شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ کے نقوش حیات کے منتشر اوراق کا مجموعہ ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ جامعہ خالد بن ولید ٹھینگی موڑ ضلع وہاڑی کے بانی و مہتمم تھے۔جیّد صاحبِ علم اور کہنہ مشق استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ باذوق اور سلیقہ شعار انسان تھے۔انہوں نے شہری آبادی سے باہر جامعہ خالد بن ولید کی بنیاد رکھی، خونِ جگر دے کر اسے سینچا، اوراسے تناور درخت بنایا۔مولانا شکیل احمد ظفر صاحب حضرت مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ کے تلمیذ و خادم اور سفر وحضر کے ساتھی رہے۔انہوں نے اپنے استاذ گرامی کو بہت قریب سے دیکھا پرکھا اور جانچا، وفات کے بعد انہوں نے اپنے محبوب اُستاذ کے حوالے سے جستہ جستہ مشاہدات و واقعات کو جمع کر کے ''یادوں کے چراغ'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔آغاز کتاب میں تاثرات کے عنوان سے باب ہے جس میں امام کعبہ شیخ علی عبداللہ الجابر رحمہ اللہ، امام مسجد نبوی شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی، حضرت سید انور حسین نفیس رقم، حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ، حضرت مفتی نظام الدین شہید رحمہ اللہ اور کئی دیگر اکابر اہل علم کے تاثرات شامل ہیں۔اس کے بعد مولانا ظفر احمد قاسم رحمہ اللہ کا مختصر سوانحی خاکہ ہے، پھر جستہ جستہ واقعاتی مشاہدات کا تذکرہ ہے۔ان واقعات کو پڑھتے ہوئے دل ودماغ میں علماءِ ربانی کا حسین نقش جاگزیں ہوتا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہمارے مدارس کے مہتممین اور مدرسین ضرور مطالعہ فرمائیں۔

☆......☆......☆